تدبرِ قرآن

۱۶

النحل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس گروپ کی تمام سورتوں کے عمود پر ایک جامع بحث ہم سورۂ یونس کی تفسیر کے شروع میں کر آئے ہیں۔ رسول کی بعثت سے حق و باطل کے درمیان جو کشمکش شروع ہوتی ہے وہ لازماً رسول اور اس پر ایمان لانے والوں کی فتح اور اس کے جھٹلانے والوں کی ہزیمت پر ختم ہوتی ہے۔ یہی حقیقت ایک نئے اسلوب سے اس سورہ میں بھی واضح کی گئی ہے۔ اس پہلو سے دیکھیے تو اس کی آیت ۳۰ ﴿لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ﴾ کو عمود کی حیثیت حاصل ہے۔ یعنی جو لوگ نیکی اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے لیے اس دنیا میں بھی فیروز مندی ہے اور آخرت کا گھر تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے ہی اور کیا ہی خوب ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کا گھر۔ یہی بات اس سورہ کی آیات ۴۱-۴۲ میں بھی فرمائی گئی ہے کہ جو لوگ حق کی راہ میں مخالفین حق کے مظالم سہہ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت اختیار کرتے ہیں ہم ان کو دنیا میں بھی اقتدار و تمکن عطا کرتے ہیں اور آخرت کا صلہ تو اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے ہی۔

سابق سورہ (سورہ حجر) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس تسلی کے مضمون پر ختم ہوئی تھی کہ آج جو لوگ تمھارے انذار اور تمھاری تنبیہ و تذکیر کا مذاق اڑا رہے ہیں اور تمھاری باتوں کو محض ہوائی باتیں خیال کر رہے ہیں تم ان کے اس استہزاء سے دل شکستہ نہ ہو، تمھاری طرف سے ان متکبروں اور مغروروں سے نپٹنے کے لیے ہم کافی ہیں۔ اس مضمون کے بعد یہ سورہ بغیر کسی تمہید کے ان متکبرین ہی کو خطاب کر کے یوں شروع ہو گئی ہے کہ ﴿اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾۔ یعنی عذاب کے لیے امر الٰہی صادر ہو چکا ہے تو اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ، اور یہ لوگ اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ جن کو خدا کا شریک بنائے بیٹھے ہیں وہ ان کو خدا کی پکڑ سے بچا لیں گے۔ اللہ اس سے پاک اور برتر ہے کہ اس کا کوئی شریک و سہیم ہو۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۹) کفارِ قریش کو تنبیہ کہ عذابِ الٰہی کو آیا ہی ہوا سمجھو۔ اس کو مذاق سمجھ کر اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔ اس گھمنڈ میں نہ رہو کہ جن کو تم نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے وہ تم کو اس سے بچا لیں گے۔ خدا کا کوئی شریک نہیں ہے۔ یہ دنیا کوئی بازیچۂ اطفال نہیں ہے کہ لوگ اس میں دھاندلی مچاتے پھریں اور اس کا خالق و مالک ان سے

کوئی بازپرس نہ کرے۔ پانی کی ایک بوند سے پیدا ہوئے انسان کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ خدا سے جھگڑا کرنے کہ مرنے کے بعد اس کو کون دوبارہ پیدا کرسکتا ہے۔ اس دنیا میں خدا کی ربوبیت اور اس کی پروردگاری کی جو نشانیاں ہر قدم پر موجود ہیں وہ اس بات کی شاہد ہیں کہ اس کا خالق نہایت ہی مہربان و رحیم ہے۔ وہ ایک ایسا دن ضرور لائے گا جس میں تمام معاملات کا فیصلہ کرے گا اور نیکوں اور بدوں دونوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔ پس لوگوں کے لیے صحیح رویہ یہی ہے کہ وہ اس کی بتائی ہوئی اور اس تک پہنچانے والی سیدھی راہ اختیار کریں اور پیچ در پیچ کی راہوں میں بھٹکنے سے بچیں۔ اگر خدا چاہتا تو سب کو راہ ہدایت ہی پر کر دیتا لیکن اس معاملے میں اس نے جبر کو نہیں پسند فرمایا بلکہ یہی چاہا کہ لوگ اپنے اختیار و انتخاب سے ہدایت کی راہ اختیار کریں۔

(۱۰-۲۳) توحید کے دلائل اس کائنات کے مختلف اجزاء میں توافق کے پہلو سے۔ یعنی اس کائنات کے مختلف اجزا میں جو باہمی سازگاری ہے وہ اس حقیقت کی نہایت واضح دلیل ہے کہ ایک ہی حکیم و قدیر کا ارادہ اس پوری کائنات میں کارفرما ہے۔ اس میں کسی اور کی شرکت نہیں ہے تو جو لوگ دوسرے معبودوں پر تکیہ کیے بیٹھے اور آخرت سے بچنت ہیں وہ اپنے اس گھمنڈ کی سزا ایک دن ضرور بھگتیں گے۔

(۲۴-۳۲) قرآن اور اس کی تعلیمات سے متعلق متکبرین کی رائے اور ان کے رویے کی طرف اشارہ اور اس حقیقت کی تصریح کہ آج جو لوگ اپنی لیڈری کے زعم میں قرآن سے لوگوں کو برگشتہ کر رہے ہیں، وہ قیامت کے دن اپنی گمراہی کا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان لوگوں کے بوجھ میں سے بھی کچھ حصہ ان کو اٹھانا پڑے گا جن کی گمراہی کا وہ ذریعہ بنیں گے۔ ان کے مقابل میں خدا ترسوں کا جو رویہ ہے اس کا حوالہ اور ان کے اچھے انجام کی طرف اشارہ۔

(۳۳-۴۰) مشرکین، قرآن کی مخالفت اور اپنے باطل نظریات کی حمایت میں جو باتیں کہتے تھے ان میں سے بعض کا حوالہ اور ان کی تردید۔

(۴۱-۴۷) جو لوگ کلمۂ حق کی خاطر مشرکین کے ہاتھوں مصائب جھیل رہے تھے ان کی ہمت افزائی اور شرک کے علم برداروں کو ان کی سرکشی پر تہدید و وعید۔

(۴۸-۶۰) توحید کے دلائل اور مشرکین کو تنبیہ کہ سب کچھ اللہ واحد ہی کے اختیار میں ہے۔ اگر اس کی پکڑ میں آگئے تو کوئی دوسرا اس کی پکڑ سے نجات دینے والا نہیں بن سکتا اور وہ جب چاہے اور جس حال میں چاہے لوگوں کو پکڑ سکتا ہے۔

(۶۱-۶۴) مشرکین کو تنبیہ کہ خدا نے اگر تم کو مہلت دے رکھی ہے تو اس لیے دے رکھی ہے کہ اس کے ہاں ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے، جب وہ وقت مقرر آجائے گا تو پھر نہ اس سے پیچھے ہٹ سکو گے نہ آگے بڑھ سکو گے۔ ساتھ ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ جو کچھ تمھیں پیش آ رہا ہے یہی کچھ تم سے پہلے

رسولوں کو بھی پیش آ چکا ہے۔ تمھارا کام لوگوں کو مومن و موحد بنا دینا نہیں ہے بلکہ صرف لوگوں پر اللہ کی حجت تمام کر دینا ہے۔

(۶۵ - ۸۳) اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں بخش رکھی ہیں ان میں سے کچھ کو گنا کر مشرکین کو ملامت کہ ان میں سے کس نعمت کو وہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ جو لوگ جان بوجھ کر انجان بن رہے ہیں ان کو راستہ پر لا کھڑا کرنا تمھاری ذمہ داری نہیں ہے۔ تمھاری ذمہ داری صرف حق کو پہنچا دینے کی ہے۔

(۸۴ - ۹۰) اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں حق کی تبلیغ کے لیے اپنے رسول بھیجے ہیں۔ وہ ان سے قیامت کے دن گواہی دلوا دے گا کہ انھوں نے اللہ کا پیغام ان کو پہنچا دیا۔ یہی حیثیت اس امت کے لوگوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اسی مقصد کے لیے اللہ نے آپ پر یہ کتاب اتاری اور اس کتاب کا جو بنیادی پیغام ہے اس کا اجمالی حوالہ۔

(۹۱ - ۹۵) یہود سے خطاب اور ان کو ملامت کہ تم اللہ سے عہد باندھ کر محض بربنائے حسد مخالفین حق کی صف میں جا کھڑے ہوئے اور اس بڑھیا کے مانند جو اپنا کاتا تنا خود اپنے ہی ہاتھوں ادھیڑ کر رکھ دے تم اللہ سے باندھے ہوئے عہد کے بخیے ادھیڑ رہے ہو۔ اللہ کے عہد کو متاع دنیا کے عوض نہ بیچو اور اپنی قسموں کو لوگوں کو حق سے برگشتہ کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔

(۹۶ - ۱۰۵) جو لوگ مخالفوں کی مخالفت کے علی الرغم حق پر ثابت قدم رہیں گے ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں بہترین صلہ کا وعدہ۔ قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کو بدظن کرنے کے لیے مخالفین جو سخن سازیاں کرتے تھے ان میں سے بعض کا جواب۔

(۱۰۶ - ۱۱۱) اعدائے حق کی ستم رانیوں کے ہدف بنے ہوئے مسلمانوں کو صبر و استقامت کی تلقین اور ان لوگوں کو تہدید و وعید جو مخالفین سے مرعوب ہو کر اسلام سے برگشتہ ہو جائیں گے۔ حق کی خاطر ہجرت کی طرف ایک اشارہ اور اس کا اجر و ثواب۔

(۱۱۲ - ۱۱۷) قریش کی تنبیہ کے لیے ایک بستی کی تمثیل کہ اگر انھوں نے اپنی روش نہ بدلی تو ان کا بھی وہی انجام ہو سکتا ہے جو اس بستی والوں کا ہوا۔ نیز ان کو یہ ہدایت کہ اپنے جی سے حرام و حلال نہ ٹھہراؤ۔ اللہ نے جن چیزوں کو حلال ٹھہرایا ہے ان کو کھاؤ، اپنے مشرکانہ توہمات کے تحت ان کو حرام نہ ٹھہراؤ۔

(۱۱۸ - ۱۲۴) اس امر کی طرف اشارہ کہ یہود پر بھی وہی چیزیں حرام ٹھہرائی گئی تھیں جو اس ملت میں حرام ہیں لیکن انھوں نے اپنی سرکشی کے سبب سے خود اپنے اوپر بعض چیزیں حرام کر لیں اور اب ان کو ملت ابراہیم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ابراہیم کو نہ یہودیت و نصرانیت سے کوئی علاقہ تھا، نہ وہ مشرکین میں سے تھے، ان کی ملت ان سب سے الگ تھی اور وہی ملت ہے جس کی پیروی کی ہدایت تمھیں کی گئی ہے۔ سبت کے احترام کا تعلق

بھی یہود سے تھا، ملت ابراہیم سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔

(۱۲۵-۱۲۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو حکمت، و موعظت کے ساتھ دعوت، کی ہدایت اور اس راہ میں صبر و استقامت، کی تلقین۔ صبر و استقامت کے حصول کا ذریعہ تعلق باللہ ہے۔ مخالفین کی سازشوں سے دل شکستہ نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ اپنے متقی اور خوب کار بندوں کا ساتھی ہے۔

سورہ کے مطالب، کا اجمالی تجزیہ کرنے کے بعد اب ہم اس کی تفصیلی تفسیر شروع کرتے ہیں۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

سُورَةُ النَّحۡلِ (١٦)

مَكِّيَّةٌ —— اٰيَاتُهَا ١٢٨

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ① آیات ۱-۹
يُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ اَنۡ
اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ
بِالۡحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ③ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا
هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ ④ وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَـكُمۡ فِيۡهَا دِفۡءٌ وَّمَنَافِعُ
وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ⑤ وَلَـكُمۡ فِيۡهَا جَمَالٌ حِيۡنَ تُرِيۡحُوۡنَ وَحِيۡنَ
تَسۡرَحُوۡنَ ⑥ وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَـكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا
بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ⑦ وَّالۡخَـيۡلَ وَالۡبِغَالَ وَ
الۡحَمِيۡرَ لِتَرۡكَبُوۡهَا وَزِيۡنَةً ؕ وَيَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ⑧ وَعَلَى اللّٰهِ
قَصۡدُ السَّبِيۡلِ وَمِنۡهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوۡ شَآءَ لَهَدٰٮكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ⑨ ع

ترجمہ آیات ۱-۹

امرِ الٰہی صادر ہو چکا ہے تو اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ، وہ پاک اور برتر ہے ان چیزوں
سے جن کو یہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہ فرشتوں کو اپنے امر کی روح کے ساتھ اتارتا ہے
اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے کہ لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھی سے

ڈرو۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو غایت کے ساتھ پیدا کیا، وہ برتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ اس کا شریک گردانتے ہیں۔ اس نے انسان کو پانی کی ایک بوند سے پیدا کیا تو وہ ایک کھلا ہوا حریف بن کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور چوپائے بھی اس نے تمھارے لیے پیدا کیے جن کے اندر تمھارے لیے جڑاول بھی ہے اور دوسری منفعتیں بھی اور ان سے تم غذا بھی حاصل کرتے ہو۔ اور ان کے اندر تمھارے لیے ایک شان بھی ہے جب کہ تم ان کو شام کو گھر واپس لاتے ہو اور جس وقت کہ ان کو چرنے کو چھوڑتے ہو۔ اور وہ تمھارے بوجھ ایسی جگہوں تک پہنچاتے ہیں جہاں تم شدید مشقت کے بغیر پہنچنے والے نہیں بن سکتے تھے، بے شک تمھارا رب بڑا ہی شفیق و مہربان ہے۔ اور اسی نے پیدا کیے گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ تم ان پر سوار ہو اور وہ زینت بھی ہیں اور وہ ایسی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے۔ اور اللہ تک سیدھی راہ پہنچاتی ہے اور بعض راہیں کج ہیں اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر کر دیتا۔ ۱-۹

۱- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ (۱)

جلد بازوں سے خطاب اور ان کی وعید

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی قوم کے لوگوں کو اس حقیقت سے آگاہ فرماتے کہ میں جس امرِ حق کی دعوت دے رہا ہوں اگر تم نے اس کو اختیار نہ کیا تو مہلت کی مدت گزر جانے کے بعد تم پر اللہ کا عذاب آجائے گا تو سرکش لوگوں کی طرف سے آپ کو یہ جواب ملتا کہ جس عذاب کی دھمکی سنا رہے ہو وہ لاتے کیوں نہیں، ہم تو تمھاری بات جب مانیں گے جب اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کے روز روز ڈراوے سنا رہے ہو۔ آگے آیت ۳۳ میں اس کی تفصیل آئے گی۔ انھی جلد بازوں کو خطاب کر کے ارشاد ہوا کہ عذاب کے لیے امر الٰہی صادر ہو چکا ہے تو اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔

'اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ' (عذاب کے لیے امر الٰہی صادر ہو چکا ہے) محض دھمکی نہیں ہے بلکہ ایک امر واقعی کا بیان ہے۔ ہم اس کتاب میں متعدد آیات کے تحت اس سنت الٰہی کی وضاحت کر چکے ہیں کہ کسی قوم کے اندر رسول کی بعثت ہی کے اندر یہ بات مضمر ہوتی ہے کہ جو لوگ اس رسول پر ایمان لائیں گے وہ نجات پائیں گے اور جو لوگ

اس کی تکذیب کردیں گے وہ ہلاک کردیے جائیں گے۔ رسول، حق و باطل کے امتیاز کے لیے کسوٹی اور اتمام حجت کا آخری ذریعہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے رسول کی بعثت کے بعد اس کی قوم کے لیے دو ہی راہیں باقی رہ جاتی ہیں یا تو لوگ اس پر ایمان لائیں اور نجات حاصل کریں ورنہ خدا کی پکڑ میں آئیں اور اپنی سرکشی کا انجام بد دیکھیں۔

سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِكُوۡنَ۔ یعنی یہ لوگ اس خبط میں مبتلا نہ رہیں کہ جن کو یہ خدا کا شریک و شفیع بنائے بیٹھے ہیں وہ ان کو خدا کے عذاب سے بچا لیں گے۔ خدا ان کے مزعومہ شریکوں سے پاک اور برتر ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ جن اعلیٰ صفات سے متصف ہے ان صفات کے ساتھ ان مشرکانہ توہمات کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ وہ اپنی تمام صفات میں یکتا اور وحدہٗ لا شریک ہے۔

بلاغت کا ایک اسلوب

اس آیت میں اسلوب بیان کا یہ فرق بھی ملحوظ رہے کہ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ میں براہ راست ان کو خطاب کیا ہے لیکن عَمَّا یُشۡرِكُوۡنَ میں خطاب، کے بجائے غایب کا صیغہ آگیا ہے۔ اس میں بلاغت یہ ہے کہ پہلے ٹکڑے میں تہدید و وعید ہے جس کے لیے خطاب ہی کا اسلوب زیادہ موزوں ہے اور اس دوسرے ٹکڑے میں کراہت و نفرت کا اظہار ہے جس کے لیے غایب کا صیغہ زیادہ مناسب تھا گویا بات ان سے منہ پھیر کر فرمائی گئی۔

یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ (۲)

کفار کے بعض مطالبات کا جواب

کفار کا مطالبہ دو چیزوں کے لیے تھا۔ ایک تو اس چیز کے لیے کہ ان پر بھی اسی طرح فرشتے اتریں جس طرح پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دعویٰ ہے کہ ان پر فرشتے اترتے ہیں، دوسرا اس عذاب کے لیے جس سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ڈراتے تھے۔ چنانچہ اسی سورہ میں ان کے ان دونوں مطالبات کا حوالہ ہے۔ هَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِیَهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَوۡ یَاۡتِیَ اَمۡرُ رَبِّكَ ۳۳ (وہ نہیں منتظر ہیں مگر اس بات کے کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا تمہارے رب کا حکم ہی آجائے) ان میں سے دوسرے مطالبہ کا جواب تو اوپر والی آیت میں دے دیا گیا کہ عذاب کے لیے امر الٰہی صادر ہو چکا ہے تو اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔ اب یہ ان کے پہلے مطالبہ کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ہر شخص اس بات کا اہل نہیں ہوتا کہ اس پر فرشتے اتریں۔ اللہ اپنے فرشتے اپنے بندوں میں سے ان پر اتارتا ہے جن پر چاہتا ہے۔ یعنی جن کو وہ اس کا اہل پاتا ہے اور جن کو وہ اس مقصد کے لیے انتخاب فرماتا ہے۔

'روح' سے مراد وحی الٰہی ہے

بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ۔ یعنی یہ فرشتے امر الٰہی کی 'روح' کے ساتھ اترتے ہیں۔ 'روح' سے مراد وحی الٰہی ہے۔ وحی الٰہی کو روح سے اس لیے تعبیر فرمایا گیا ہے کہ جس طرح جسم کی زندگی روح سے ہے اسی طرح روح و دل کی زندگی وحی الٰہی سے ہے۔ سیدنا مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ انسان روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے۔

رسولوں کو اللہ کی مشترک ہدایت

اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ۔ یعنی ہر رسول کو اللہ کی طرف سے یہ ہدایت ہوئی کہ لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میرے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے تو صرف مجھی سے ڈرو اور میری ہی عبادت کرو۔ کسی اور کو میرا ساجھی

اور شریک نہ ٹھہراؤ۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (۳)

کارخانۂ کائنات کے 'بالحق' ہونے کا لازمی تقاضا

لفظ 'حق'، کی تشریح سورۂ حجر کی آیت ۸۵ کے تحت گزر چکی ہے۔ اس کے معنی غایت اور مقصد کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے یہ دنیا بے غایت و بے مقصد نہیں بنائی ہے۔ یہ کسی کھلنڈرے کا کھیل اور بازیچۂ اطفال نہیں ہے بلکہ اس کی ایک ایک چیز کے اندر جو قدرت و حکمت نمایاں ہے وہ شاہد ہے کہ اس کا خالق حکیم و قدیر ہے۔ ایک حکیم و قدیر خالق کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کوئی عبث، باطل اور بے مقصد کام کرے۔ اس کے بامقصد اور باغایت ہونے کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ وہ ایک ایسا دن ضرور لائے جس دن سب اس کی طرف لوٹیں اور اپنے اعمال کی جزا یا سزا پائیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ تمام کارخانہ بالکل عبث اور بے غایت ایک کھیل بن کے رہ جاتا ہے۔ اسی حقیقت کو سورۂ مومنون کی آیت ۱۱۵ میں یوں واضح فرمایا ہے۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو عبث پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے)۔

'تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ' یہ اسی اوپر والے مضمون کی ایک دوسرے پہلو سے تاکید ہے۔ کفار و مشرکین اول تو قیامت کے قائل نہ تھے، پھر ان کا اصل تعلق ان کے ان فرضی معبودوں اور شرکاء و شفعاء سے رہ گیا تھا جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ وہ ان کی طرف سے خدا سے نمٹنے کے لیے کافی ہیں۔ ظاہر ہے یہ عقیدہ اس کارخانۂ کائنات کے 'بالحق' ہونے کی صریح نفی ہے۔ اس وجہ سے یہ حقیقت بھی واضح کر دی گئی کہ یہ لوگ اپنے جن معبودوں سے لو لگائے بیٹھے ہیں ان میں سے کوئی ان کے کام آنے والا نہیں ہے۔ خدا کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں ہے۔ وہ ان تمام شریکوں سے پاک اور منزہ ہے۔ وہ جن اعلیٰ صفات سے متصف ہے ان کے ساتھ ان شریکوں کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ (۴)

انسان سے یہاں مراد وہی کفار و مشرکین ہیں جو اوپر کی آیات میں مخاطب ہیں۔ ان سے بیزاری کے لیے بات عام صیغے کہہ دی گئی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ پیدا تو ہم نے انسان کو نجس پانی کی ایک بوند سے کیا لیکن اب وہ کھلم کھلا ہمارا ایک حریف بن کر اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اب وہ اپنے دوبارہ اٹھائے جانے کو بھی بعید از امکان سمجھتا ہے اور کہتا ہے ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ۳-ق (کیا جب ہم مر جائیں گے اور گل سڑ کر مٹی ہو جائیں گے تو ہم از سر نو اٹھائے جائیں گے، یہ واپسی تو بہت ہی مستبعد ہے) اور جن کو اپنے زعم کے مطابق اس نے ہمارا شریک بنا رکھا ہے ان کی حمایت میں بھی ہم سے لڑتا ہے۔ آگے آیت ۲۷ میں ان کے اسی لڑنے کا حوالہ ہے وَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِیْهِمْ (اور وہ فرمائے گا کہ اب میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کی حمایت میں تم لڑتے تھے؟)

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (۵)

'دِفْءٌ'، چوپایوں کے بال اور اون وغیرہ کو کہتے ہیں جن سے بنے ہوئے لباس سردیوں میں گرمی حاصل کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

آیاتِ الٰہی کی طرف اشارہ

اب اس آیت، اور آگے کی آیات میں مخاطب گروہ کے گردوپیش کی چیزوں اور ان کے گوناگوں فوائد و منافع کا حوالہ دے کر اس کو توجہ دلائی ہے کہ ان میں سے ایک ایک چیز شہادت دے رہی ہے کہ اس کائنات کا خالق نہایت ہی کریم و حکیم اور نہایت ہی مہربان و رحیم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نعمتیں تو تمھیں ساری خدا سے ملی ہیں لیکن تم عبادت دوسروں کی کرتے ہو اور جس کی پروردگاری کی یہ شانیں دیکھتے ہو اس کے متعلق یہ گمان کیے بیٹھے ہو کہ اس نے بس تمھیں ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے چھوڑ رکھا ہے، نہ ان نعمتوں کے جواب میں اس کا تم پر کوئی حق قائم ہوتا ہے اور نہ تمھیں اس کے آگے کبھی کوئی جواب دہی کرنی ہے۔ نعمتوں کے ذکر میں سب سے پہلے چوپایوں کا حوالہ دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کی اصل دولت یہ چوپائے ہی تھے۔ وہ بیشتر انہی سے لباس، غذا اور دوسرے گوناگوں فوائد حاصل کرتے تھے۔

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ (٦)

چوپایوں کی نعمت

'جمال' سے مراد یہاں شان و شوکت اور دولت و عظمت ہے اہل عرب کی اصل پونجی، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، چوپائے ہی تھے اس وجہ سے وہاں کسی شخص کی ثروت و عظمت کا اندازہ اس کے گلے ہی سے کیا جاتا۔ اگر اس کا گلہ بڑا ہوتا تو وہ بڑا آدمی سمجھا جاتا اور اگر چھوٹا ہوتا تو چھوٹا آدمی خیال کیا جاتا۔

'اِرَاحَۃ' کے معنی شام کو گلے کو چراگاہ سے گھر واپس لانے کے ہیں اور 'سَرْح' کے معنی اس کو چرنے چگنے کے لیے صبح کو چھوڑنے کے ہیں۔ یہاں 'اِرَاحَۃ' کو 'سَرْح' پر مقدم کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ موقع کلام اظہار شان کا ہے اور شان کا اظہار گلے کی شام کو واپسی میں زیادہ ہے جب کہ وہ چراگاہ سے چر چگ کے تازگی اور فربہی کی حالت میں گھر کو واپس آتا ہے۔ یہ بات اس درجہ میں اس وقت نہیں ہوتی جب، وہ صبح کو چرنے کے لیے چھوڑا جاتا ہے۔

وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (٧)

یہ اشارہ اونٹوں کی طرف ہے جن پر عرب میں باربرداری اور سفر کا تمام تر انحصار تھا۔ یہ جانور طویل سے طویل اور پُرمشقت سے پُرمشقت سفر کے لیے، خاص طور پر صحرائی اور گرم ملکوں میں، خدائی سفینہ کی حیثیت رکھتا ہے، اس وصف میں کوئی دوسرا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

نعمت سے متمتع ہونے والوں کے لیے سبق

'اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ' یہ وہ اصل سبق ہے جو ان نعمتوں سے متمتع ہونے والے انسان کو حاصل ہونا چاہیے کہ وہ یہ مانے کہ ان کا بخشنے والا نہایت ہی مہربان اور نہایت ہی رحیم و کریم ہے اور پھر اس سے جو بات لازم آتی ہے اس کو اختیار کرے یعنی اس منعم کا حق پہچانے، اس کا شکرگزار بندہ بنے، اس کی بندگی و اطاعت میں سرگرم رہے، اس کے حقوق میں دوسروں کو شریک نہ بنائے اور اس کے مقابل میں حریف بن کر نہ اٹھ کھڑا ہو۔ لیکن انسان کی یہ عجیب شامت ہے کہ وہ خدا کی نعمتیں پا کر اس کا شکرگزار بندہ بننے کی بجائے خود اپنی شان میں مبتلا ہو جاتا ہے اور خدا کا حریف بن کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ مزید ستم یہ کہ اگر شکرگزار بھی ہوتا ہے

تو خدا کا نہیں بلکہ خدا کے سوا دوسروں کا ہوتا ہے۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (٨)

اونٹ کے بعد یہ دوسرے جانوروں کی طرف اشارہ فرمایا جو سواری کے کام بھی آتے اور سرداری کے لوازم میں سے ہونے کے باعث شان وشوکت کا بھی ذریعہ تھے نیز فرمایا کہ انہی تک محدود نہیں خدا بے شمار ایسی مخلوقات بھی پیدا کرتا رہتا ہے، جن کو تم جانتے بھی نہیں بلکہ بالواسطہ یا بلاواسطہ تم یا تمہارے سوا دوسرے لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مقصود ان چیزوں کے ذکر سے بھی وہی ہے جس کی طرف اوپر اشارہ گزرا کہ نعمتیں بخشی ہوئی تو سب خدا کی ہیں لیکن تم ان کو پاکر خدا کو تو بھول جاتے ہو اور اپنی شان اور دوسروں کی بندگی میں لگ جاتے ہو۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (٩)

'قصد' کے معنی سیدھے اور مستقیم کے ہیں۔ طَرِيْقٌ قَصْدٌ سیدھا راستہ۔ 'قَصْدُ السَّبِيْل' میں صفت اپنے موصوف کی طرف مضاف ہوگئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بندے کو خدا تک توحید کی سیدھی راہ پہنچاتی ہے۔ اس میں کج پیچ اور پگ ڈنڈیاں نہیں ہیں۔ خدا نے اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان وسائط کو حائل نہیں کیا ہے۔ اس نے اپنے تک پہنچنے کے لیے سیدھی راہ کھولی ہے، بندہ اس کو اختیار کرلے تو یہ سیدھے خدا تک پہنچا دیتی ہے۔ اسی حقیقت کو سورۂ حجر کی آیت ۴۱ میں یوں واضح فرمایا گیا ہے۔ 'هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ' (یہ سیدھی راہ (توحید) سیدھے مجھ تک پہنچاتی ہے) یہی مضمون سورۂ ہود آیت ۵۶ میں یوں بیان ہوا ہے۔ 'اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ' (بے شک میرا رب ایک سیدھے راستہ پر ہے)

'وَمِنْهَا جَآئِرٌ' یعنی خدا تک تو توحید کی سیدھی راہ پہنچاتی ہے لیکن لوگوں نے اپنی شامت سے اس سیدھی راہ سے شرک کے کج پیچ کے راستے نکال لیے ہیں جن پر پڑ کے وہ اس طرح کھو جاتے ہیں کہ پھر خدا سے وہ دور سے دور تر ہی ہوتے جاتے ہیں۔ ان کے لیے اصل شاہراہ کی طرف لوٹنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔

'وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ' یعنی اگر خدا چاہتا تو سب کو ہدایت کے راستہ ہی پر ڈال دیتا لیکن اس معاملے میں اس نے جبر کو پسند نہیں فرمایا ہے بلکہ لوگوں کو اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی عقل و تمیز سے کام لیں اور جس راہ کو بھی اختیار کریں اپنی ذمہ داری پر اختیار کریں۔ اگر وہ توحید کی راہ اختیار کریں گے تو منزل تک پہنچیں گے اور اگر اس سے انحراف کریں گے تو اس کا انجام خود دیکھیں گے۔ اسی سورہ میں آگے ارشاد ہوا ہے۔ 'اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ'۔ یعنی جن پر خدا کا قانون ضلالت نافذ ہو جاتا ہے، پھر ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوا کرتی تو ایسوں کی ہدایت کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ آگے کا مضمون —— آیات ۱۰-۲۳

توحید کا مضمون ایک دوسرے پہلو سے

آگے بھی توحید کا مضمون ایک دوسرے پہلو یعنی کائنات میں توافق کے پہلو سے واضح کیا گیا ہے پھر آخر

میں تنبیہ کیا گیا ہے کہ جو لوگ دوسرے معبودوں پر تکیہ کیے بیٹھے ہیں وہ یاد رکھیں کہ قیامت کے دن، جب کہ لوگوں سے ان کے اعمال کی بابت پرسش ہوتی ہے، ان کے یہ فرضی دیوی دیوتا کچھ کام آنے والے نہیں ہیں۔ سب کو اللہ واحد ہی سے سابقہ پیش آنا ہے اور وہ ہر ایک کے تمام ظاہر و باطن سے واقف ہے اور ہر ایک کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق ہی معاملہ کرے گا۔

هُوَ الَّذِىٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ آیات
فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿۱۰﴾ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ ۱۰-۲۳
وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾
وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ
بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِى
الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾
وَهُوَ الَّذِىْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا
مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا
مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ
تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَ
بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾
وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ
يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ
وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ آیات ۱۰-۲۳

وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا جس میں سے تم پیتے بھی ہو اور اسی سے وہ نباتات بھی اگتی ہیں جن میں تم مویشیوں کو چراتے ہو۔ وہ اسی سے تمھارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور، انگور اور ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے۔ بے شک اس کے اندر بہت بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سوچیں۔ اور اس نے رات اور دن، سورج اور چاند کو تمھاری نفع رسانی میں لگا رکھا ہے اور تارے بھی اسی کے حکم سے نفع رسانی میں لگے ہوئے ہیں، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھیں۔ اور زمین میں جو چیزیں تمھارے لیے گوناگوں قسموں کی پھیلائیں، بے شک اس میں بھی بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو یاددہانی حاصل کریں۔ ۱۰-۱۳

اور وہی ہے جس نے سمندر کو تمھاری نفع رسانی میں لگا رکھا ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے وہ زیور نکالو جو تم پہنتے ہو اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ اس میں چیرتی ہوئی چلتی ہیں (تاکہ تم اس میں سفر کرو) اور اس کے فضل کے طالب بنو اور تاکہ تم اس کے شکرگزار بنو۔ ۱۴

اور اس نے زمین میں پہاڑ ڈال دیے ہیں کہ وہ تمھیں لے کر جھک نہ پڑے اور نہریں جاری کر دی ہیں اور راستے نکال دیے ہیں تاکہ تم راہ پاؤ اور دوسری علامتیں بھی ہیں اور تاروں سے بھی وہ راہ معلوم کرتے ہیں۔ ۱۵-۱۶

تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے ان کے مانند ہے جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے؟ تو کیا تم سوچتے نہیں؟ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ان کا احاطہ نہ کر سکو گے۔ بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا،

مہربان ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کرتے، وہ تو خود مخلوق ہیں، مردہ غیر زندہ، اور ان کو احساس بھی نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ ۱۷-۲۱

تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ پر جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ گھمنڈ میں ہیں۔ لاریب خدا جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں، وہ تکبر کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ ۲۲-۲۳

۳- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ (۱۰)

'اسامۃ' کے معنی مویشیوں کو چراگاہ کی طرف لے جانے کے ہیں۔

توحید کی دلیل توافق کے پہلو سے

آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہی ایک خدا ہے جو آسمان سے پانی اتارتا ہے جس کو تم زمین پر بسنے والے پیتے بھی ہو اور اسی سے وہ جنگل جھاڑیاں اور نباتات بھی اگتی ہیں جن میں تم اپنے مال مویشی چراتے ہو۔ یہ صورت واقعہ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ آسمانوں کے خدا اور ہیں، زمین کے خدا اور، بلکہ یہ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ ایک ہی خدائے قادر و قیوم آسمانوں اور زمین سب پر حکمران ہے؛ ظاہر ہے کہ آسمانوں اور زمین کا یہ توافق اس حقیقت کی کھلی شہادت ہے کہ ایک ہی حکیم و قدیر کا ارادہ آسمانوں اور زمین سب میں کارفرما ہے اور اس کی ربوبیت و پروردگاری کا خوان کرم اتنا وسیع ہے کہ انسان تو انسان، انسان کے کام آنے والے جانور بھی اس سے متمتع ہو رہے ہیں۔

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۱۱)

آخرت کی دلیل ربوبیت کے پہلو سے

اسی پانی سے وہ کھیتی، زیتون، کھجور، انگور اور گوناگوں قسم کے پھلوں کے باغ پیدا کرتا ہے۔ فرمایا کہ اس میں بہت بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو تفکر و تدبر کریں۔ توحید کی دلیل، توافق کے پہلو سے، تو اس میں ہے ہی لیکن تفکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت بڑی نشانی آخرت کی بھی ہے اس لیے کہ گوناگوں نعمتوں اور حکمتوں سے بھری ہوئی اس دنیا پر جب ایک حساس انسان غور کرتا ہے

تو وہ بے تحاشا پکار اٹھتا ہے کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا، اے رب تو نے حکمتوں اور رحمتوں سے یہ معمور عالم عبث، اور بے غایت نہیں پیدا کیا ہے۔ اس کے باغایت و بامقصد ہونے کا لازمی تقاضا ہے کہ اس کے بعد ایک ایسا دن لائے جس میں ان لوگوں پر انعام فرمائے جنھوں نے اس میں اپنی ذمہ داریاں پہچانی اور اپنے فرائض ادا کیے ہوں اور ان لوگوں سے باز پرس کرے جنھوں نے ہوش و گوش سے عاری ایک شتر بے مہار کی زندگی گزاری ہو۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (۱۲)

سَخَّرَ لَكُمْ کے معنی جیسا کہ ہم دوسرے مقامات میں واضح کر چکے ہیں، یہ ہیں کہ ان چیزوں کو خدا نے تمھاری خدمت اور نفع رسانی میں لگا رکھا ہے۔ لیکن یہ عجیب ماجرا ہے کہ خدا نے تو ان چیزوں کو تمھاری خدمت میں سرگرم کیا کہ تم اس کے شکرگزار بنو اور اس بات کو یاد رکھو کہ جس نے انسان کی نفع رسانی کے لیے اپنی یہ شانیں اور قدرتیں دکھائی ہیں وہ اس کو غیر مسئول اور مطلق العنان نہیں چھوڑے گا لیکن نادانوں نے یہ صحیح راہ اختیار کرنے کے بجائے انھی سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش شروع کر دی اور ان کے پیچھے اس خدا کو بھلا بیٹھے جو ان سب چیزوں کا خالق و مالک ہے۔

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ (۱۳)

پتہ پتہ معرفت کردگار کا دفتر ہے

یعنی زمین میں جو بے شمار گوناگوں اور بوقلموں انواع و اقسام کی چیزیں تمھارے فائدے کے لیے پھیلا رکھی ہیں ان کو بھی دیکھو اور ان پر غور کرو۔ ان کے اندر بھی یاد دہانی حاصل کرنے والوں کے لیے بہت بڑی نشانی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا بالکل سپاٹ، چٹیل، یک رنگ بلکہ بالکل بے رنگ بھی ہو سکتی تھی لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ اس کا گوشہ گوشہ عجائب قدرت سے معمور ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ اس لیے ہے کہ اس کے خالق نے یہ چاہا کہ انسان اس کے جس گوشہ پر بھی نظر ڈالے وہیں اس کو اس کے خالق کی قدرت و حکمت اور رحمت و ربوبیت کی کوئی نہ کوئی نشانی مل جائے اور وہ مصنوع سے صانع اور اس کی صفات کا درس حاصل کر سکے۔ گویا کہ پتہ پتہ معرفت کردگار کا دفتر ہے۔ ہر قدم پر صحیح نشان منزل کی طرف رہنمائی کرنے والی کوئی نہ کوئی نشانی موجود ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ یاد دہانی کرنے والی چیزوں سے انسان یاد دہانی حاصل کرے، آنکھیں بند کر کے نہ چلے بلکہ ایک ایک چیز کو دیکھے اور اس سے جو سبق حاصل ہوتے ہیں ان کو محفوظ رکھے۔

انسان کو دعوت تفکر و تذکر

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ انسان کی جو صلاحیتیں اس دنیا میں اس کی صحیح رہنمائی کرتی ہیں ان کو بالترتیب يَتَفَكَّرُوْنَ، يَعْقِلُوْنَ، اور يَذَّكَّرُوْنَ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف نزول ہے۔ انسان کی سب سے اعلیٰ صفت تو یہ ہے کہ وہ اس کائنات میں تفکر کرے، اسی تفکر سے اس کو اس کثرت کے اندر وحدت کی طرف رہنمائی اور اس کائنات کی اصل غایت کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ یہ نہ ہو تو کم از کم یہ تو ہو

کہ وہ اپنی عقل سے کام لے اور اس کائنات کی ایک ایک چیز جس نشانِ منزل کی طرف انگلی اٹھا اٹھا کر اشارہ کر رہی ہے اس کی اس بادہ دہانی سے فائدہ اٹھائے اور اندھے بھینسے کی طرح نہ چلے۔ انہی صفات کا حوالہ آگے اسی سورہ کی آیات ۶۵، ۶۷، ۶۹ میں بالترتیب 'یَسْمَعُوْنَ'، 'یَعْقِلُوْنَ' اور 'یَتَفَکَّرُوْنَ' کے الفاظ سے آیا ہے۔ یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف صعود ہے یعنی ایک معقول آدمی کے اندر کم از کم جو بات ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ معقول بات کو سنے اور اس کو سمجھنے کی کوشش کرے اگر یہ نہ ہو تو وہ سرے سے آدمی ہی نہیں ہے بلکہ نرا دو ٹانگوں پر چلنے والا ایک جانور ہے، اور اس کا اعلیٰ وصف یہ ہے کہ وہ اس کائنات میں تفکر کرے اس لیے کہ اسی تفکر سے علم صحیح اور معرفتِ حقیقی کے دروازے کھلتے ہیں اور قرآن درحقیقت انسان کی اسی صلاحیت کو بیدار کرنا چاہتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۱۴)

سمندر کی نشانیوں کی طرف اشارہ

تسخیرِ بحر سے مراد وہی ہے جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے یعنی خدا نے سمندر کو تمہاری خدمت اور نفع رسانی میں لگا رکھا ہے کہ تمہیں اس سے تازہ گوشت بھی حاصل ہوتا ہے اور تم اپنی زینت کے لیے اسی سے قیمتی موتی بھی نکالتے ہو۔

'وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ' یہاں قرینہ دلیل ہے کہ 'وَلِتَبْتَغُوْا' سے پہلے 'لِتَرْكَبُوْهَا' یا اس کے ہم معنی کوئی فعل محذوف ہے اور حرفِ عطف 'وَ' اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

یعنی تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ ایک گہرے اور موجزن سمندر کے اندر اس کے پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم ان پر سوار ہو اور تجارتی سفر کر کے خدا کے فضل کے طالب اور اس کے شکر گزار بنو کہ اس نے اپنی قدرت و رحمت سے تمہارے لیے سمندر کے سینے پر سے نہایت صاف سڑکیں نکال دی ہیں جن پر سے تمہارے بڑے بڑے جہاز گزرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ خدا کے اس فضل و نعمت پر لوگ اس کے شکر گزار ہوں لیکن نادانوں نے ان دریاؤں اور سمندروں ہی کو دیوی دیوتا بنا کر ان کی پوجا اور عبادت شروع کر دی۔

وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۙ وَعَلٰمٰتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ (۱۵-۱۶)

اس میں اعلیٰ عربیت کے اسلوب کے مطابق کلام کے بعض اجزاء جو بغیر اظہار کے ظاہر تھے، وہ حذف ہیں۔ ہم نے ترجمہ میں ان کو کھول دیا ہے۔ 'اَنْهٰرًا وَّسُبُلًا' یعنی فَجَّرَ فِیْهَا اَنْهٰرًا وَمَهَّدَ فِیْهَا سُبُلًا۔ 'عَلٰمٰتٍ' یعنی جَعَلَ لِلسَّبِیْلِ عَلٰمٰتٍ۔

زمین اور آسمان کی نشانیوں کی طرف اشارہ

خدا نے زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے ہیں جو اس کے توازن کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اس میں نہریں جاری کر دی ہیں جن سے طرح طرح کے فوائد حاصل ہوتے ہیں، راستے نکال دیے ہیں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکو

اور ان راستوں کو پہچاننے کے لیے مختلف قسم کی علامتیں (LAND MARKS) نصب کر دی ہیں کہ ان کا تعیین کر سکو، پھر اسی پر بس نہیں، آسمان پر ستارے بھی چمک رہے ہیں جن سے صحراؤں کے سفر میں لوگ راستوں، سمتوں اور اوقات کے تعین میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ساری چیزیں تو خدا کی بنائی اور بخشی ہوئی ہیں تو عبادت و اطاعت خدا کی ہونی چاہیے یا خدا کے سوا ان چیزوں کی جنھوں نے کوئی چیز بھی نہیں بنائی۔

اَفَمَنۡ یَّخۡلُقُ کَمَنۡ لَّا یَخۡلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ (١٧)

مذکورہ حقائق کے لازمی نتائج

اب یہ توحید اور جزا و سزا کے ان نتائج کی طرف دلائی جا رہی ہے جو اوپر کی بیان کردہ تمام نعمتوں سے نکلتے ہیں۔ فرمایا کہ کیا وہ جو تمام چیزیں پیدا کرتا ہے ان کی مانند ہو جائے گا جو نہ صرف یہ کہ کچھ پیدا نہیں ہوتے بلکہ، جیسا کہ آگے آ رہا ہے، وہ مخلوق ہیں۔ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ، یعنی یہ عقل کی کیسی موت ہے کہ اتنی موٹی سی بات بھی تمھاری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے! یہاں اس حقیقت پر نظر رہے کہ مشرکین عرب، ان چیزوں کا، جن کی طرف اوپر توجہ دلائی گئی ہے، خالق خدا ہی کو مانتے تھے لیکن اس کے باوجود انہی مخلوقات میں سے بہت سی چیزوں کو وہ خدا کا شریک ٹھہراتے اور جو حقوق خاص خالق کے ہیں ان میں وہ ان کو حصہ دار بناتے اور اس طرح خالق کو اس کی مخلوقات کے برابر کر دیتے۔

وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡہَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (١٨)

توبہ اور اصلاح کی دعوت

یعنی یہ نعمتیں جو گنائی گئی ہیں یہ تو خدا کی بے شمار نعمتوں میں سے چند ہیں۔ اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ان کا احاطہ نہیں کر سکتے لیکن اس کے باوجود تم خدا کی ناشکری اور اس کے حقوق میں دوسروں کو شریک کرتے ہو۔ اپنی اس حرکت کے سبب سے تم سزاوار تو اس بات کے تھے کہ خدا تم کو فوراً ہر نعمت سے محروم کر دیتا لیکن اس نے تم کو مہلت دے رکھی ہے اس لیے کہ وہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر توبہ اور اصلاح کرو اور اس کے غضب کے بجائے اس کی رحمت کے سزاوار بنو۔

وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ (١٩)

تہدید و وعید

یہ تہدید و وعید ہے۔ یعنی خدا نے اپنی رافت و رحمت کے سبب تمھیں ڈھیل تو دے رکھی ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ وہ تمھارے ظاہر و باطن اور پوشیدہ و علانیہ سے اچھی طرح باخبر ہے۔ ایک دن آئے گا جب کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں رہ جائے گی۔ وہ رتی رتی کا حساب اور عدل کے ساتھ تمام معاملات کا فیصلہ کرے گا۔ اس میں ایک لطیف اشارہ اس حقیقت کی طرف بھی ہے کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ نعمتیں سب اللہ ہی کی بخشی ہوئی ہیں لیکن جان کر انجان بنتے ہو، تمھارے دل مانتے لیکن زبانیں انکار کرتی ہیں۔ آگے اسی سورہ کی آیت ٨٣ میں یہ حقیقت یوں بیان ہوئی ہے۔ یَعۡرِفُوۡنَ نِعۡمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ یُنۡکِرُوۡنَہَا وَاَکۡثَرُہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ (وہ خدا کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر اس سے ناآشنا بنتے ہیں اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں)۔

وَالَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ لَا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا وَّہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ ؕ اَمۡوَاتٌ غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ

وَمَا يَشْعُرُونَ ۙ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ (۲۰-۲۱)

معبودانِ باطل کی بے حقیقتی

ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت، تو تمام معبودانِ باطل سے متعلق عام ہے اور دوسری آیت خاص انکے ان آباء و اجداد سے متعلق ہے جن کی وہ پرستش کرتے تھے۔ فرمایا کہ اللہ کے سوا جن کو یہ پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسوں کو حاجت روائی کے لیے پکارنا محض نادانی ہے۔ پھر ان کے ان آباؤ اجداد کی طرف، جن کو انھوں نے معبود بنا رکھا تھا، اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تو مردہ ہیں، ان کو پتہ بھی نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ مطلب یہ کہ مردوں کو پکارنے سے حاصل! اَموات کے ساتھ غَيْرُ أَحْيَاءٍ کی صفت تاکید مزید کے طور پر ہے یعنی مردہ بے حس۔

إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُم مُّنكِرَةٌ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ (۲۲)

منکرین کے انکار کی اصل علت غرور ہے

یعنی یہ امر تو ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے لیکن جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل اس کو ناگوار سمجھتے ہیں اور وہ گھمنڈ میں پڑے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اصل حقیقت ان لوگوں سے مخفی نہیں ہے لیکن چونکہ آخرت پر ان لوگوں کا ایمان نہیں ہے اس وجہ سے یہ بے خوف ہیں اور یہ اس امر میں ہتک محسوس کر رہے ہیں کہ جن چیزوں کو وہ آباء و اجداد کے زمانے سے پوجتے آ رہے ہیں ان کو ایک شخص کے کہنے پر چھوڑ دیں۔ گویا سوال ایک شے کے حق یا باطل ہونے کا نہیں بلکہ اپنی آن و شان کا ہے۔ ان کے اندر یہ غرور سمایا ہوا ہے کہ ایک چیز کتنی ہی باطل سہی لیکن جب وہ اس کو برابر کرتے آئے ہیں تو اس کو چھوڑ کر خود اپنے قول و عمل سے اپنے باطل پر ہونے کا اقرار کیوں کریں۔

لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ (۲۳)

متکبرین خدا کے مبغوض ہیں

یعنی یقیناً اللہ ان کے اس باطنی محرک انکار اور ان کے اس ظاہری انکار دونوں کو جانتا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں استکبار کا خناس سمایا ہوا ہے اس وجہ سے وہ ایک حق کو حق مانتے ہوئے جھٹلا رہے ہیں اور ایک باطل سے اس کو باطل جانتے ہوئے چمٹے ہوئے ہیں۔ سو اللہ ایسے مغروروں اور متکبروں کو دوست نہیں رکھتا، 'دوست نہیں رکھتا' یعنی ان کو مبغوض رکھتا ہے۔

۴۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۲۴-۳۲

آگے چند آیات میں پہلے انہی متکبرین کی، جن کا ذکر اوپر گزرا، ان سازشوں اور شرارتوں کا ذکر ہے جو وہ اپنے زیر اثر لوگوں کو قرآن کی دعوت سے روکنے کے لیے کر رہے تھے۔ ساتھ ہی ان کے اس انجام کا بھی ذکر ہے جو دنیا اور آخرت، دونوں میں ان کی ان مفسدانہ کوششوں کے نتیجہ میں ان کے اور ان کی پیروی کرنے والوں کے سامنے آنے والا ہے۔ پھر ان کے مقابل میں ان متقیوں اور خدا ترسوں کا ذکر ہے جو قرآن کی دعوت کے علمبردار تھے اور دنیا و آخرت میں جو صلہ ان کی ان مساعی کا ملنے والا ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔

آیات ۲۴-۳۲

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾
لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ
ع ۴ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ
۹ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ
فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَاۗقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْۗءَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ
تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ
مِنْ سُوْۗءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا
اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ
لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ
هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾
جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا
يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ
طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمۂ آیات ۲۴-۳۲

اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز اتاری ہے تو کہتے ہیں اگلوں کے فسانے، تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ بھی پورے اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ میں سے بھی حصہ بٹائیں جن کو یہ بغیر کسی علم کے گمراہ کر رہے ہیں۔ جان رکھو کہ نہایت ہی برا ہوگا وہ بوجھ

جو یہ اٹھائیں گے۔ ۲۴-۲۵

ان سے پہلے والوں نے بھی چالیں چلیں تو خدا نے ان کی عمارت بنیاد سے اکھیڑ دی پس ان کے اوپر سے ان پر چھت آپڑی اور ان پر عذاب وہاں سے آیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا۔ پھر قیامت کے دن اللہ ان کو رسوا کرے گا اور پوچھے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کی حمایت میں تم لڑتے تھے۔ جن کو علم عطا ہوا وہ پکار اٹھیں گے کہ آج رسوائی اور بدبختی کافروں پر ہے۔ ان پر جن کو فرشتے اس حال میں وفات دیں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھا رہے ہوں گے تو اس وقت وہ سپر ڈال دیں گے کہ ہم تو کوئی برائی نہیں کر رہے تھے۔ ہاں، بے شک، اللہ اچھی طرح باخبر ہے اس سے جو تم کرتے رہے ہو۔ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو اسی میں ہمیشہ رہنے والے بن کر۔ پس کیا ہی برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا۔ ۲٦-۲۹

اور جو تقویٰ والے ہیں ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمھارے رب نے کیا چیز اتاری ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ خوب چیز اتاری ہے۔ جن لوگوں نے بھلائی کی راہ اختیار کی ان کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور دار آخرت تو اس سے کہیں بہتر ہے اور کیا ہی خوب ہے اہل تقویٰ کا گھر! ابد کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے، ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان کے لیے ان میں وہ سب کچھ ہوگا جو چاہیں گے۔ اللہ اہل تقویٰ کو اسی طرح صلہ دے گا۔ ان کو جن کو فرشتے پاکیزہ حالت میں وفات دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں آپ لوگوں پر سلامتی ہو، جنت میں جا براجیے اپنے اعمال کے صلہ میں۔ ۳۰-۳۲

۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَإِذَا قِيلَ لَهُم مَّاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (۲۴)

اساطیر کا مفہوم — 'اَسَاطِیْرُ' 'اُسْطُوْرَۃٌ' کی جمع ہے۔ 'اُسْطُوْرَۃٌ' بے اصل اور بے حقیقت بات کو کہتے ہیں جس کی حیثیت

محض افسانے کی ہو۔

قرآن کی دعوت کا ردِ عمل قریش کے لیڈروں پر

قرآن کی دعوت بالخصوص رسولوں اور ان کے جھٹلانے والوں کی تاریخ، جو اس نے نہایت ہی صحیح پہلو سے نہایت ہی موثر انداز میں پیش کی، ایسی چیز نہیں تھی جو بے اثر رہ جائے۔ اس نے مکہ کے عوام و خواص اور بالتدریج سارے عرب میں ایک ہلچل برپا کر دی۔ عوام چونکہ سیادت و قیادت کے پندار سے پاک ہوتے ہیں اس وجہ سے صحیح چیز ان پر اثر انداز ہوتی ہے لیکن وہ اپنے لیڈروں کے تابع ہوتے ہیں اس وجہ سے خود کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ان کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ یہی صورتِ حال قرآن کی دعوت کے باب میں عرب میں پیش آئی۔ قرآن کی دعوت اور اس کے انذار نے جب لوگوں کو ہلا دیا تو عوام اپنے لیڈروں سے جا جا کر سوال کرنے لگے کہ یہ چیز، جو خدا کے نازل کردہ کلام کی حیثیت سے، آپ لوگوں کے سامنے پیش کی جا رہی ہے کیسی ہے، اس کے بارے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے، اور اس میں اس کی تکذیب کا جو انجام بتایا گیا ہے اور جس کے حق میں تاریخ کے واقعات بھی پیش کیے گئے ہیں اس کی حقیقت، آپ لوگوں کی نظر میں کیا ہے؟ لیڈروں نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے پیرو اس سے متاثر ہو رہے ہیں اور یہ چیز ان کی لیڈری کے لیے خطرے کا باعث ہو سکتی ہے، ان کو مطمئن کرنے کے لیے یہ جواب دینا شروع کیا کہ اس میں اگلوں کے فسانوں اور ماضی کے قصوں کے سوا ہے کیا۔ مطلب یہ کہ عاد و ثمود اور ماضی قدیم کی قوموں کے بے اصل قصے اس میں اپنے رنگ میں دہرائے جا رہے ہیں۔ ان قصوں سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہماری روش بالکل ٹھیک ہے۔ ہم اپنے آباؤ اجداد کے صحیح دین پر ہیں۔ ان بے حقیقت افسانوں سے مرعوب ہو کر کہیں تم لوگ اس شخص کے چکمے میں نہ آ جانا جو اپنی من گھڑت باتیں خدا کے نام سے پیش کر رہا ہے۔

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ (۲۵)

مفسدین کی سعی

افساد کا انجام

یہ ان کی اس سعی نامراد کا انجام بیان ہو رہا ہے جو وہ لوگوں کو حق سے روکنے کے لیے کر رہے تھے۔ فرمایا کہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کا انجام یہ ہونا ہے کہ قیامت کے روز یہ اپنی گمراہی کا پورا بوجھ تو اٹھائیں گے ہی اس لیے کہ اس دن ان کے وہ شرکا و شفعا ان کے کچھ کام آنے والے نہیں ہیں جن کو یہ شریک خدا بنائے بیٹھے ہیں، مزید برآں اپنی سعی افساد کے بقدر ان کو ان لوگوں کے بوجھ میں سے بھی اٹھانا پڑے گا جو ان کی ان مفسدانہ کوششوں سے گمراہ ہوں گے۔

وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ میں مِنْ تبعیض کے لیے ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ کوئی شخص قیامت کے دن اس بنیاد پر کہ دوسرے نے اس کو گمراہ کیا ہے اپنی ذمہ داری سے کلیتہً بری نہیں ہو جائے گا بلکہ اسے بھی اپنی گمراہی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص عقل و فہم سے بہرہ مند اور مکلف کے حکم میں داخل ہے اس کے لیے یہ عذر کافی نہیں ہے کہ دوسرے نے اس کو گمراہ کیا

اس وجہ سے وہ گمراہ ہوگیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے خود اس کو جو عقل و بصیرت عطا فرمائی تھی اس نے اس سے کیوں کام نہ لیا۔ اس وجہ سے جس طرح اس کا گمراہ کرنے والا اپنی حد تک اس کی گمراہی کا ذمہ دار ٹھہرے گا اور اس کی سزا بھگتے گا اسی طرح یہ بھی اپنی حد تک اپنی گمراہی کا ذمہ دار قرار پائے گا اور اس کا خمیازہ بھگتے گا۔

'بِغَیْرِ عِلْمٍ' کی قید سے ان کے اس جرم کی سنگینی واضح ہوتی ہے کہ ایک طرف تو رسول کی دعوت ہے جو اس علم حقیقی پر مبنی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر اترا ہے، دوسری طرف یہ مفسدین ہیں جو بغیر کسی علم ہی کے لوگوں کی رہنمائی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور ان کو ضلالت کے کھڈ میں گرا رہے ہیں۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُم مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِن فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ (۲۶)

'مکر' کا مفہوم

'مکر' کے معنی سازش اور چال کے ہیں، چونکہ ان مفسدین کی یہ تمام سرگرمیاں محض اپنی لیڈری کے تحفظ کے لیے تھیں، وہ دیدہ و دانستہ حق کی مخالفت کر رہے تھے اس وجہ سے قرآن نے اس کو 'مکر' سے تعبیر فرمایا۔

ماضی کی معذب قوموں کی طرف اشارہ

یہ اشارہ ہے ماضی کی ان قوموں کی طرف جنھوں نے اپنے رسولوں کی اسی طرح کے اغراض کے تحت مخالفت کی جس طرح کے اغراض کے تحت قریش کے لیڈر آنحضرت صلعم کی مخالفت کر رہے تھے۔ فرمایا کہ اس کی پاداش میں اللہ کے عذاب نے ان کی عمارتیں بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دیں اور ان پر اللہ کا عذاب وہاں سے آ دھمکا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا۔ اللہ کے رسول جب ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تو وہ اپنے اطمینان بخش حالات کے سبب سے حیران ہوتے کہ بھلا ہم پر عذاب کدھر سے آجائے گا۔ بالآخر جب وہ عذاب آگیا تب ان کو پتہ چلا کہ اس کے آنے کا راستہ یہ تھا۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ یہ محض استعارہ نہیں بلکہ بیان واقعہ ہے۔ معذب قومیں زلزلوں اور باد تند و سیلاب کے ایسے طوفانوں سے ہلاک ہوئیں جن سے ان کے مکانوں کی دیواریں اور چھتیں سب ان کے اوپر آپڑیں۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ (۲۷)

قیامت کے دن مشرکین کی رسوائی

'خِزْی' کے معنی رسوائی کے ہیں۔ چونکہ ان مفسدین کے تمام فساد کا اصل سبب، جیسا کہ اوپر گزرا، تکبر تھا اس وجہ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے اس تکبر کی پاداش میں ان کو ذلیل و رسوا کرے گا۔ 'وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ' یہ ان کی ذلت و رسوائی کی ایک شکل بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ اب دکھاؤ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کی حمایت میں تم ہر وقت آستینیں چڑھائے رہتے تھے۔ اس کی تفصیل آگے آیت ۸۶ میں یوں آئی ہے وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِن دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ (اور جب شرک کرنے والے اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو پکاریں گے کہ اے ہمارے رب یہ ہیں ہمارے وہ شریک جن کو تیرے سوا ہم پکارتے

تھے تو وہ ان کے منہ پر بات پھینک ماریں گے کہ تم لوگ بالکل جھوٹے ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ ان کی رسوائی کی انتہا ہوگی کہ جن کی حمایت میں زندگی بھر اللہ و رسول کے مقابل میں آستینیں چڑھائے رہے وہ عین وقت پر اس طرح ان کو جھوٹا قرار دیں گے۔

قیامت کے روز اہل علم کی مسرت

قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ اوپر ان مفسدین کا ذکر گزر چکا ہے جو بغیر کسی علم ہی کے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اب یہ ان کے مقابل میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ کے بخشے ہوئے علم میں سے حصہ ملا اور انھوں نے اس علم کی روشنی میں اپنے کو بھی منور کیا اور دوسروں کی بھی اس سے رہنمائی کی۔ فرمایا کہ یہ لوگ جب شرک کے علم برداروں کی یہ رسوائی دیکھیں گے تو خوشی سے پکار اٹھیں گے کہ آج رسوائی اور عذاب کا نزول کافروں کا حصہ ہے۔ یعنی دنیا میں تو یہ بہت دندناتے رہے، آج اس غرور و بدمستی کا انجام دیکھیں گے۔

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ (۲۸-۲۹)

کلام کا انطباق حال پر

یہ دو آیتیں بطور تضمین ہیں۔ اس تضمین سے اہل علم کی بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ صرف مستقبل کی ایک حکایت نہیں ہے بلکہ ان لوگوں پر بھی ٹھیک ٹھیک منطبق ہو رہی ہے جو آج اپنے غرور میں مست ہیں اور اسی حال میں مرتے ہیں۔

'اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ' یعنی انھیں کافروں کے حکم میں وہ سب داخل ہیں جن کی جانیں فرشتے اس حال میں نکالتے ہیں کہ وہ اپنے کفر و شرک کی وجہ سے خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہوتے ہیں۔

سَلَم کے معنی حوالگی اور سپردگی

'فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ'۔ 'سَلَم' 'تسلیم' سے اسم ہے جس کے معنی حوالگی اور سپردگی کے ہیں۔ 'فَاَلْقَوُا السَّلَمَ' یعنی ڈوگ ڈال دیں گے، سپرانداز ہو جائیں گے، صلح کی درخواست کریں گے۔

پہلے مرحلہ ہی میں سارا نشہ ہرن

یعنی ان کا یہ سارا غرور اور گھمنڈ اور سارا المطنطنہ صرف اس وقت تک ہے جب تک ان کو موت کے فرشتوں سے سابقہ پیش نہیں آتا۔ جب ان سے سابقہ پیش آ جاتا ہے اور وہ ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے، جیسا کہ دوسرے مقام میں ذکر ہے، ان کی جانیں نکالتے ہیں تو پہلے ہی مرحلہ میں سارا نشہ ہرن ہو جاتا ہے اور وہ نہایت لجاجت سے درخواست کرتے اور جھوٹی معذرت پیش کرتے ہیں کہ ہم پر رحم کیا جائے ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے رہے ہیں۔ 'بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ' فرشتوں کی طرف سے یہ جواب ملتا ہے کہ ہاں تم برائی کرتے رہے ہو۔ بے شک اللہ اس سے خوب باخبر ہے جو تم کرتے رہے ہو۔

متکبروں کا ابدی ٹھکانا

'فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ' یعنی اسی وقت ان کو یہ خبر بھی دے دی جاتی ہے کہ اب جہنم کے دروازوں میں، اسی میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو، اب اس سے نکلنا

نصیب نہ ہوگا۔ یہی متکبروں کا ٹھکانا ہے اور نہایت برا ٹھکانا ہے۔ لفظ اَبْوَاب، جمع ہے جس سے جہنم کی وسعت، کی طرف بھی اشارہ ہو رہا ہے اور اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ مجرمین اپنے اپنے جرائم کی حیثیت، وزعیت، کے اعتبار سے اس میں الگ الگ دروازوں سے داخل ہوں گے۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ (۳۰)

متکبرین کے بالمقابل متقین کا رویہ

اب یہ متکبرین کے مقابل میں، ان لوگوں کا رویہ بیان ہو رہا ہے جو خدا سے ڈرنے والے تھے۔ فرمایا کہ جب پوچھنے والے ان سے پوچھتے ہیں کہ خدا نے کیسی چیز اتاری ہے تو وہ اس کی نہایت تحسین کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ نہایت خوب چیز اتاری ہے۔ 'لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الایۃ' یہ ان متقیوں اور خوب کاروں کا وہ صلہ بیان ہوا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں ان کو ملنے والا ہے۔ فرمایا کہ ان کے لیے دنیا میں بھی بھلائی اور کامیابی ہے اور آخرت کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، وہ تو ہے ہی بہتر۔ 'وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ' بالکل 'فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ' کے مقابل میں ہے۔ جس طرح متکبرین کے ٹھکانے کے برے ہونے کی کوئی حد نہیں اسی طرح متقیوں کے گھر کے اچھے ہونے کی کوئی حد نہیں۔

رسولوں اور ان کے صحابہ کے لیے اس دنیا میں بھی کامیابی

یہاں ان متقیوں کے لیے صریح الفاظ میں اس دنیا میں بھی کامیابی و نصرت، کی بشارت ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں، یہ ہے کہ رسول اور اس کے ساتھیوں کے لیے اس دنیا میں بھی غلبہ اور اقتدار لازمی ہے۔ آگے آیت ۴۱ کے تحت، ہم اس کی مزید وضاحت کریں گے۔

جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ (۳۱)

جَنَّاتُ عَدْنٍ کا مفہوم

'عدن' کے معنی توطن اور اقامت کے ہیں۔ یہ متقین کے گھر کی تعریف ہے کہ وہ اقامت اور توطن کے باغ ہوں گے۔ خدا کے متقی بندے ان میں محض وقتی سیر و تفریح کے لیے نہیں بلکہ ان میں ہمیشہ رہنے بسنے کے لیے داخل ہوں گے۔ فعل 'يَدْخُلُونَ' یہاں اپنے حقیقی اور کامل معنی میں ہے یعنی متقین ان باغوں میں عزت و اکرام کے ساتھ براجمان ہوں گے، ان میں ان کے لیے وہ سب کچھ حاضر ہوگا جو وہ چاہیں گے۔

'تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ' یہ ان باغوں کی تصویر و تعریف ہے۔ ایک اچھے باغ کا تصور یہ ہے کہ وہ بلندی پر ہو اور اس کے نیچے نہر جاری ہو۔ بلندی اس کے حسن کو دوبالا کرتی ہے اور نیچے بہنے والی نہر اس کی شادابی و زرخیزی کی ضامن ہوتی ہے۔

الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (۳۲)

متقین کے ساتھ فرشتوں کا معاملہ

جس طرح اوپر والی آیت ۲۸ بطور تضمین ہے اسی طرح یہ آیت بھی بطور تضمین ہے جس سے کلام بالکل مطابق حال ہو گیا ہے۔ 'طَيِّبِينَ' بالکل 'ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ' کے مقابل میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان 'مُتَّقِين' سے مراد

وہ رہے ہیں جن کو فرشتے اس حال میں وفات دیتے ہیں کہ وہ شرک و کفر کی ہر آلائش سے بالکل پاک اور منزہ ہوتے ہیں۔ فرشتے ان کو سلام کرتے ہیں اور ان کو ان کے اعمال کے صلہ میں جنت کی بشارت سناتے ہیں۔

۶۔ آگے کا مضمون —— آیات ۳۳-۴۷

متکبرین کی کج بحثیوں کا تردید اور اہلِ ایمان کو کامیابی کی بشارت

آگے انہی متکبرین کی ان کج بحثیوں کا حوالہ اور ان کی تردید ہے جو وہ اپنے رویہ کی حمایت و موافقت میں کرتے تھے اور ساتھ ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو استقامت اور اللہ پر بھروسہ قائم رکھنے کی تلقین کی گئی ہے اور یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ آزمائشوں کے دور سے گزرنے کے بعد بالآخر فتح و کامیابی انہی کا حصہ ہے۔ آیات کی تلاوت کیجیے۔

آیات ۳۳-۴۷

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ ۚ
كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِن
كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٣﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَ
ع ۹/۱۰ حَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٤﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا
لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا
وَلَا حَرَّمْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن
قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي
كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ فَمِنْهُم
مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي
الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾ إِن تَحْرِصْ
عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَن يُضِلُّ ۖ وَمَا لَهُم مِّن
نَّاصِرِينَ ﴿٣٧﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن

يَمُوتُ ۚ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾
لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ
كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ
ع ٥ ١١ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا
وقف لازم لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا
يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٤٢﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا
مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ ۚ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ
لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ
المنصف لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٤﴾ أَفَأَمِنَ الَّذِينَ
مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ
بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ
رَحِيمٌ ﴿٤٧﴾

ترجمہ آیات ۳۳-۴۷

یہ لوگ تو بس اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا تیرے رب کا حکم ہی آجائے۔ یہی روش ان سے پہلے والوں نے اختیار کی۔ اور اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔ تو ان کو ان کے کیے کی سزائیں پہنچیں اور جس چیز کا وہ مذاق اڑا رہے تھے اسی چیز نے ان کو گھیر لیا۔ ۳۳-۳۴

اور جن لوگوں نے شرک کیا وہ کہتے ہیں، اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کو نہ پوجتے

نہ ہم نہ ہمارے آباء واجداد، اور نہ ہم اس کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ یہی رویہ ان سے پہلے والوں نے اختیار کیا تو رسولوں پر واضح طور پر پہنچا دینے کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں۔ اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول اس دعوت کے ساتھ بھیجا کہ اللہ ہی کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچو تو ان میں سے کچھ کو اللہ نے ہدایت بخشی اور ان میں ایسے بھی ہوئے جن پر ضلالت مسلط ہو کے رہی تو ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ کیا ہوا جھٹلانے والوں کا انجام۔ ۳۵-۳۶

اگر تم ان کی ہدایت کے حریص ہو تو اللہ ایسوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا جن کو گمراہ کر دیتا ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں بنتا۔ ۳۷

اور یہ پکی پکی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اس کو نہیں اٹھائے گا۔ ہاں، یہ اس کے اوپر ایک لازمی وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ یہ اس لیے ہے کہ یہ جس چیز میں اختلاف کر رہے ہیں اس کو وہ اچھی طرح واضح کر دے اور تاکہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔ جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اتنا ہی ہمارا کہنا ہوتا ہے کہ ہم اس کو کہتے ہیں ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ ۳۸-۴۰

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی بعد اس کے کہ ان پر ظلم ڈھائے گئے ہم ان کو دنیا میں بھی اچھی طرح متمکن کریں گے اور آخرت کا اجر تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے، کاش وہ جانتے یہ ان مہاجرین کے لیے ہے جنھوں نے استقامت دکھائی اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ۴۱-۴۲

اور ہم نے تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو دلائل اور کتابوں کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی کرتے رہے تو اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے اور ہم نے تم پر بھی یاددہانی اتاری تاکہ تم لوگوں پر اس چیز کو اچھی طرح واضح کر دو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے اور تاکہ وہ غور کریں۔ ۴۳-۴۴

کیا وہ لوگ جو بری بری چالیں چل رہے ہیں اس بات سے نچنت ہیں کہ اللہ ان کے سمیت

زمین کو دھنسا دے یا ان پر عذاب وہاں سے آدھمکے جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہو یا ان کو چلتے
پھرتے پکڑ لے تو وہ اس کے قابو سے باہر نہیں نکل سکتے یا ان کو عین اندیشہ کی حالت میں دھر لے

پس تمہارا پروردگار بڑا ہی شفیق و رحیم ہے۔ ۴۵-۴۷

۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ
بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (۳۳-۳۴)

لیعنی یہ منکرین تمہاری باتوں کی تصدیق کے لیے اس وقت تک تیار نہیں ہیں جب تک ان کے پاس فرشتے نہ آئیں یا ان پر وہ عذاب ہی نہ آ جائے جس کی ان کو خبر دی جا رہی ہے۔ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی یہی روش ان سے پہلے کی قوموں نے اپنے رسولوں کے ساتھ اختیار کی، نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر عذاب الٰہی آدھمکا اور اس نے ان کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ یہی حشر ان کا بھی ہونا ہے اگر انھوں نے اپنی روش نہ بدلی۔ تاریخ سے سبق لینے کی دعوت

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ یعنی یہ پچھلی قومیں ہلاک ہوئیں تو اپنی ضد اور سرکشی کے سبب سے ہلاک ہوئیں۔ خدا نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا اس لیے کہ ان کو پہلے سے تمام نتائج و عواقب سے اس نے آگاہ کر دیا تھا بلکہ انھوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھائے کہ تنبیہ و تذکیر سے فائدہ اٹھانے کے بجائے عذاب کا مطالبہ کیا اور اپنے رسولوں کی تنبیہات کا مذاق اڑاتی رہیں۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ، یعنی ان پر جو عذاب آئے وہ ان کے اپنے اعمال کے نتیجے تھے۔ خدا نے ان کو وہی چیز دکھا دی جو انھوں نے اپنے لیے مہیا کی تھی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا
مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَي الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (۳۵) مشرکین کی بعض کج بحثیوں کا جواب

یہ بھی ان لوگوں کی کج بحثی کی ایک مثال ہے۔ یعنی یہ مشرکین تمہیں زچ کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ ہم جن معبودوں کو پوجتے اور ان کے نام پر جن چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں یہ سب خدا ہی کی مرضی سے کرتے ہیں، ورنہ خدا کے اختیار میں تو سب کچھ ہے، اگر ہمارے یہ کام اس کی مرضی کے خلاف ہوتے تو وہ ہمیں اپنی قدرت سے ان

کاموں سے روک دیتا اور ہم ان میں سے آیک کام بھی نہ کر پاتے۔ ﴿کَذٰلِکَ فَعَلَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ﴾ یعنی یہ بھی کوئی نئی بات نہیں بلکہ ان سے پہلے جو قومیں گزری ہیں انھوں نے بھی اسی طرح کی کج بحثیوں سے اپنے رسولوں کو چپ کرنے کی کوشش کی۔ مطلب یہ ہے کہ جب انھوں نے انہی کی روش اختیار کی ہے تو لازماً انہی کے انجام سے بھی دوچار ہوں گے۔ ﴿فَہَلۡ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ﴾ یعنی اگر وہ تمھاری سچائی کی دلیل اس بات کو سمجھتے ہیں کہ تم اپنے تصرف سے ان کو اس دین کی راہ پر لگا دو جس کی ان کو دعوت دے رہے ہو تو رسولوں کا کام یہ نہیں ہوتا، ان کا کام صرف واضح طور پر لوگوں تک دین حق پہنچا دینا ہوتا ہے، یہ کام تم کر رہے ہو اور اسی پر تمھاری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ حق کو قبول کرنا یا نہ کرنا ان کی اپنی ذمہ داری ہے اور اس کے لیے عنداللہ وہی مسئول ہوں گے۔ اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ وہ حق یا باطل میں سے کسی چیز پر لوگوں کو مجبور کر دے بلکہ اس نے لوگوں کو اختیار بخشا ہے۔ اگر کوئی شخص حق کی راہ اختیار کرتا ہے تو اس کو اسی راہ کی توفیق ملتی ہے اور اگر کوئی شخص باطل کی راہ پر چل پڑتا ہے تو اللہ اس کو اسی راہ میں ڈھیل دے دیتا ہے۔

وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ ۚ فَمِنۡہُمۡ مَّنۡ ہَدَی اللّٰہُ وَ مِنۡہُمۡ مَّنۡ حَقَّتۡ عَلَیۡہِ الضَّلٰلَۃُ ؕ فَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۳۶﴾

لفظ طَاغُوۡت کی تحقیق بقرہ آیت ۲۵۶ کے تحت گزر چکی ہے۔

اللہ کے ہر رسول نے اللہ ہی کی بندگی کی دعوت دی

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کے اس قول کا منشا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے اسی کفر و شرک کی تعلیم دی ہے جس پر وہ ہیں تو یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر رسول نے صرف اللہ ہی کی بندگی اور طاغوت سے اجتناب کی تعلیم دی ہے تو جس نے ہدایت کی راہ پسند کی اس کو ہدایت کی توفیق ملی اور جو اپنی ضلالت ہی پر جما رہ گیا اس پر ضلالت پوری طرح مسلط ہو گئی۔ ﴿فَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ﴾ یعنی جن لوگوں نے ان رسولوں کی تکذیب کی ان کی اس تکذیب کے انجام کے آثار اس سرزمین میں موجود ہیں تو ان آثار کا مشاہدہ کرو اور ان سے سبق لو۔

اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰی ہُدٰىہُمۡ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِیۡ مَنۡ یُّضِلُّ وَ مَا لَہُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۳۷﴾

پیغمبر صلعم کو تسلی

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے۔ آپ کو اپنی قوم کی ہدایت کی شدید تمنا تھی اس وجہ سے آپ ان کے پیچھے اپنے رات دن ایک کیے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ جو لوگ خدا کے قانون ضلالت کی زد میں آ چکے ہیں اب ان کو ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔ ایسوں کا کوئی مددگار نہیں بنتا۔ خدا ہدایت انہی لوگوں کو بخشتا ہے جو اپنی فطری صلاحیتیں اس کے لیے استعمال کرتے اور اس کے طلب گار بنتے ہیں۔

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ ۙ لَا یَبۡعَثُ اللّٰہُ مَنۡ یَّمُوۡتُ ؕ بَلٰی وَعۡدًا عَلَیۡہِ حَقًّا وَّ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۸﴾

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ، ای بالغوا فی الیمین وَاجْتَهَدُوْا ۔ یعنی انھوں نے قسم کھانے میں مبالغہ کیا اور اپنا پورا زور لگا یا۔

منکرین کی قسم کی تردید

منکرین کا انکار آخرت میں غلو

ایمان کے موانع میں سے ایک بڑا مانع قریش کے منکرین کے لیے یہ بھی تھا کہ وہ مرنے کے بعد کی زندگی کے نہ تو قائل تھے اور نہ اس کے قائل ہونا چاہتے تھے۔ وہ بڑے زور و شور سے قسمیں کھا کھا کے اپنے زیرِ اثر لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جانا ناممکن ہے، اللہ کسی کو نہیں اٹھائے گا، یہ محض محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دھونس ہے۔

بَلٰی وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ، یہ ان کی تردید ہے اور اس تردید میں بھی وہی شدت ہے جو منکرین کے قول میں ہے۔ فرمایا کہ ہاں وہ لوگوں کو ضرور اٹھائے گا۔ یہ اللہ کا حتمی وعدہ ہے جس کا ایفا اس نے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے لیکن اکثر لوگ اس سے واقف نہیں ہیں اس وجہ سے وہ اس کا انکار کرتے یا مذاق اڑا رہے ہیں۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ (۳۹)

قیامت کی ضرورت

یہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی ضرورت واضح فرمائی ہے کہ یہ اس لیے ہوگا کہ جن چیزوں کے بارے میں آج وہ اختلاف کر رہے ہیں ان میں امرِ حق اچھی طرح واضح ہو جائے اور جن لوگوں نے جانتے بوجھتے دھاندلیاں مچائی ہیں وہ اپنے کیے کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ اور یہ اس لیے بھی ہوگا کہ جو لوگ آج قسمیں کھا کھا کے لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ قیامت نہیں ہے وہ اچھی طرح جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے اور انھوں نے جھوٹی قسمیں کھائیں۔

قیامت کلمۂ کُن سے وجود میں آئے گی

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (۴۰)

یہ اس استبعاد کو رفع فرمایا ہے جس کی بنا پر کفار قیامت کا انکار کرتے تھے۔ فرمایا کہ ہم جب کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کے لیے کسی اہتمام و انتظام کی ضرورت پیش نہیں آتی، ہم تو بس اتنا کہتے ہیں کہ ہو جا اور وہ کام ہو جاتا ہے تو ہمارے لیے لوگوں کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا کیا مشکل ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (۴۱-۴۲)

مہاجرین حبشہ کی تحسین

یہ بات بھی یہاں قیامت کی ضرورت اور اس کے مقاصد کے تحت ہی بیان ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آخر خدا کے بندے وہ بھی تو ہیں جو آج اس کی راہ میں، اس کے دین کی خاطر، طرح طرح کے مصائب و شدائد کا ہدف بنے ہوئے ہیں یہاں تک کہ وہ مجبور ہو کر محض اپنے دین کو بچانے کی خاطر، اپنے وطن اور گھر در کو چھوڑ کے غیر ملک حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے ہیں۔ کیا اللہ ان لوگوں کو ان کی ان جانبازیوں کا صلہ نہیں دے گا؟ ضرور دے گا۔ دنیا میں بھی ان کو اچھی طرح متمکن کرے گا اور

آخرت کا اجر تو اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ یعنی جو لوگ اللہ کے اس وعدے کی قدر و قیمت اور اس اجر آخرت کی عظمت سے واقف نہیں ہیں وہ جو چاہیں سمجھیں کاش وہ اس سے واقف ہوتے۔ اگر واقف ہوتے تو انھیں اندازہ ہوتا کہ جن لوگوں کو وہ محروم سمجھ رہے ہیں انھوں نے دنیا اور آخرت دونوں کی کتنی بڑی بازی جیتی ہے۔

اَلَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔ یہ انہی مہاجرین کی تعریف ہے کہ انھوں نے اللہ کی راہ میں ہر قسم کے مصائب جھیلے لیکن متزلزل نہیں ہوئے بلکہ اپنے موقف حق پر ڈٹے رہے اور جب گھر چھوڑنے تک کی نوبت آگئی تو اللہ کے بھروسہ پر دامن جھاڑ کر اٹھ گئے، ذرا اس بات کی پروا نہیں کی کہ کیا کھائیں گے اور کہاں سر چھپائیں گے۔

ہجرت کی حقیقت

ان آیتوں سے ہجرت کی حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ ہر نقل مکان کو ہجرت نہیں کہتے۔ ہجرت یہ ہے کہ آدمی اپنے دین کے معاملے میں ستایا جائے یہاں تک کہ وہ اپنا محبوب وطن اور اپنا عزیز آشیانہ چھوڑ کر وہاں سے نکلنے اور دوسری سرزمین کو اپنی پناہ گاہ بنانے پر مجبور ہو جائے۔ اس راہ میں صبر کا مفہوم یہ ہے کہ خواہ اس کے سر پر آرے ہی کیوں نہ چل جائیں لیکن دین حق کی جو نعمت اس کو مل چکی ہے وہ اس سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہو اور توکل کا مفہوم یہ ہے کہ خواہ حالات کتنے ہی ناسازگار کیوں نہ ہوں لیکن وہ یہ اعتماد رکھے کہ اللہ اس کو تنہا نہیں چھوڑے گا بلکہ اس کی دست گیری فرمائے گا۔ یہی صبر و توکل ہجرت کی راہ میں زادِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

منتظرینِ عذاب کو جواب

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۴۳)

یہ ان لوگوں کا جواب ہے جن کا ذکر اوپر آیت ۳۳ میں گزرا ہے کہ وہ منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا اللہ کا عذاب ہی آ جائے۔ پہلے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں سب بشر ہی تھے، بس یہ امتیاز ان کو حاصل ہوتا تھا کہ ان پر ہم اپنی وحی نازل کرتے تھے۔ پھر معترضین کو خطاب کر کے فرمایا کہ اگر تم اس حقیقت سے بے خبر ہو تو جو پہلے کے حاملین کتاب ہیں ان سے پوچھ دیکھو وہ تمھیں بتائیں گے کہ انسانوں کے اندر منصب رسالت پر بشر ہی فائز ہوتے رہے ہیں، فرشتے نہیں فائز ہوتے رہے ہیں۔

بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ (۴۴)

کتاب الٰہی اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے

بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ یعنی یہ رسول جو آتے رہے ہیں دلائل اور صحیفوں کے ساتھ ہی آتے رہے ہیں، عذاب الٰہی لے کر نہیں آتے رہے ہیں جس کا مطالبہ یہ لوگ کر رہے ہیں۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ الآیۃ یعنی جس طرح ہم نے پچھلے رسولوں کو دلائل اور صحیفوں کے ساتھ بھیجا اسی طرح تم پر بھی اپنی یاد دہانی (کتاب) اتاری تاکہ تم لوگوں پر اس چیز کو اچھی طرح واضح کر دو جو ان کی طرف اتاری

گئی ہے اور وہ اختلاف رفع ہو جس میں وہ اپنے دین سے متعلق مبتلا ہو گئے تھے۔ اور آیت ۳۹ پر ایک نظر پھر ڈال لیجیے۔ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ یعنی کتاب اتارنے کا یہ مقصد بھی ہے کہ اس پر وہ غور کریں تاکہ ان کی کجرویوں اور گمراہیوں کی اصلاح ہو۔ اگر عذاب آگیا تو اس چیز کا موقع ان کے لیے باقی نہیں رہے گا۔ یہ تو اللہ کا بہت بڑا فضل و احسان ہے کہ اس نے عذاب کے بجائے کتاب اتاری جو رفع اختلاف کے لیے روشنی اور عقل کے لیے رہنمائی ہے تو انھیں چاہیے کہ اس نعمت پر وہ اپنے رب کے شکر گزار ہوں، اس پر ایمان لائیں، اس سے ہدایت حاصل کریں اور عذاب کے لیے جلدی نہ مچائیں۔

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ ۝ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (۴۵-۴۷)

مطالبۂ عذاب پر اظہار تعجب

یہ ان کے مطالبۂ عذاب پر اظہار تعجب اور ان کو ملامت ہے کہ اگر وہ عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں تو کس بھتے پر کر رہے ہیں؟ خدا جہاں سے چاہے ان کو پکڑ لے۔ اس کی پکڑ سے بچنے کا انھوں نے کیا سامان کر رکھا ہے؟ اگر خدا چاہے تو ان کے سمیت زمین کو دھنسا دے یا ان پر عذاب وہاں سے آدھمکے جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہو، یا چاہے تو عین ان کی آمد و شد کے دوران میں ان کو دھر لے، اگر وہ ایسا کرے جب بھی وہ اس کے قابو سے باہر نہیں نکل سکتے۔ اسی طرح اگر وہ چاہے تو عین اس وقت ان کو پکڑ لے جب کہ وہ خطرے کو پوری طرح محسوس کر رہے ہوں اور اس کے لیے بیدار ہوں۔ غرض ہر حالت میں ان کو پکڑ سکتا ہے اگر وہ نہیں پکڑتا تو اس وجہ سے نہیں پکڑتا کہ وہ مہربان اور رحیم ہے۔ وہ اپنے بندوں کو آخری حد تک مہلت دیتا اور ان سے درگزر فرماتا ہے۔

۸۔ آگے کا مضمون ____ آیات ۴۸-۶۰

توحید کی آفاقی و انفسی دلیلیں

آگے کی آیات میں توحید کی بعض آفاقی اور انفسی دلیلیں بیان ہوئی ہیں اور مقصود ان کے بیان کرنے سے تنبیہ کے اس مضمون کو مؤکد کرنا ہے جو اوپر کی آیات ۴۵-۴۷ میں گزرا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عذاب کے لیے جلدی مت مچاؤ، اگر خدا کا عذاب آگیا تو اس سے نجات دینے والا خدا کے سوا کوئی اور نہیں بن سکتا۔ اگر کسی کو اپنے دیویوں دیوتاؤں پر اعتماد ہے تو یہ واضح رہنا چاہیے کہ خدا کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ وحدہٗ لا شریک ہے۔ کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس کے کسی ارادے میں مزاحم یا مخل ہو سکے۔

آیات ۴۸-۶۰

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ
وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا
ع ٦/١٠ ١٢ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا
يُؤْمَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ السجدة ۩ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ
آیات ٤٨-٦٠ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٥١﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ
فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿٥٣﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ
الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ
اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ
نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٦﴾
وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا بُشِّرَ
اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارٰى
مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ
فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٥٩﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
ع ١٠ ١٣ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٠﴾

ترجمہ آیات ٤٨-٦٠ کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ خدا نے جو چیز بھی پیدا کی ہے ان کے سائے دہنے اور بائیں
سے منقلب ہوتے ہیں اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے اور ان پر فروتنی ہوتی ہے اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے
ہیں جتنے آسمانوں اور زمین میں جاندار ہیں اور فرشتے بھی، وہ سرتابی نہیں کرتے۔ وہ اپنے اوپر
اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم ملتا ہے۔ ۴۸-۵۰

اور اللہ نے فرمایا کہ دو معبود نہ بنانا، وہ ایک ہی معبود ہے تو مجھی سے ڈرو۔ اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی کی اطاعت ہمیشہ لازم ہے تو کیا تم غیر اللہ سے ڈرتے ہو۔ ۵۱۔ ۵۲

اور تمہارے پاس جو نعمت بھی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے، پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی سے تم فریاد کرتے ہو۔ پھر جب وہ تم سے تکلیف دور کر دیتا ہے تو تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے تاکہ ناشکری کریں اس چیز کی جو ہم نے ان کو بخشی ہے تو چند روزہ عیش کر لو، عنقریب تم جان لوگے۔ اور جن کے بارے میں انھیں کوئی علم نہیں ان کا حصہ لگاتے ہیں ان چیزوں میں سے جو ہم نے ان کو دی ہیں۔ خدا کی قسم! جو افترا تم کر رہے ہو اس کی تم سے پرسش ہونی ہے۔ ۵۳-۵۶

اور وہ اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں، وہ ان چیزوں سے پاک ہے، اور ان کے لیے ہے جو وہ چاہیں۔ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ گھٹا گھٹا رہتا ہے۔ وہ اس منحوس خبر پر لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ اس کو ذلت کے ساتھ رکھ چھوڑے یا اس کو مٹی میں دفن کر دے۔ افسوس، کیا ہی برا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں۔ بری تمثیل ان لوگوں کے لیے ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اللہ کے لیے اچھی صفتیں ہیں، وہ غالب اور حکیم ہے۔ ۵۷-۶۰

۹- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ (۴۸)

تقیاٰ، تفییاً کے معنی تقلب اور ردوبدل کے ہیں۔

تفیاٰ کے معنی تقلب اور ردوبدل | توحید کی تکوینی دلیل

یہ توحید کی تکوینی دلیل بیان ہوئی ہے کہ ہر چیز کا سایہ زمین پر بچھا رہتا ہے، گویا وہ خدا کے آگے سجدہ میں ہے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اٹھنا شروع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب سورج سمت راس میں آتا ہے تو سایہ بالکل کھڑا ہو جاتا ہے، پھر جب سورج جھکنا شروع ہوتا ہے تو سایہ دوسری سمت میں زمین پر بچھنا شروع ہوتا ہے۔ ہر چیز کے سایہ کے چوبیس گھنٹے اسی رکوع و سجود میں گزرتے ہیں اور یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ سایہ کا یہ سجدہ سورج کی بالکل مخالف سمت میں ہوتا ہے، سورج اگر پورب کی طرف ہے تو سایہ پچھم کی طرف پھیلے گا اور اگر سورج پچھم کی طرف ہے تو سایہ کا پھیلاؤ پورب کی طرف ہوگا۔ یہ ایک لطیف اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ سایہ کی فطرت ابراہیمی ہے۔ آفتاب پرستی سے اس کو عار ہے۔

اس تکوینی شہادت کی روشنی میں غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ کوئی شخص اگر سورج یا کواکب میں سے کسی چیز کی پرستش کرتا ہے تو اس کا اپنا سایہ اس کے اس فعل کی نفی کرتا ہے۔ وہ خود تو سورج کے آگے جھکتا ہے لیکن اس کا سایہ اس کی مخالف سمت میں جھکتا ہے۔ وہ طوعاً جس خدا کو سجدہ کرنے پر راضی نہیں ہے کرہاً اسی کے آگے سربسجود ہے اس لیے کہ اس کا سایہ خدا ہی کے آگے جھکا ہوا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف سورۂ رعد کی یہ آیت اشارہ کر رہی ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ	اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں
الْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَظِلٰلُهُمْ	ہیں، راضی خوشی یا مجبورانہ اور ان کے سائے صبح
بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (رعد-۱۵)	و شام سجدہ کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص طوعاً خدا کو سجدہ کرتا ہے اس کے سجدۂ تکوینی اور سجدۂ اختیاری میں تو پوری پوری مطابقت ہوتی ہے، رہا وہ شخص جو غیر اللہ کو سجدہ کرتا ہے تو اس کا اپنا سایہ اس کے اس سجدہ پر نکیر کرتا ہے۔

وَهُمْ دٰخِرُوْنَ یعنی اس تکوینی سجدہ میں ان پر عاجزی و فروتنی طاری ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس سے باہر کی حالت میں خدا سے اکڑتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے دائرۂ اختیار میں اپنی اصل جبلت سے منحرف ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (۴۹)

فرشتوں کی فروتنی اور فرمانبرداری

یعنی آسمانوں اور زمین میں جتنے بھی جاندار ہیں سب خدا ہی کو سجدہ کرتے ہیں اس لیے کہ سب کی جبلت خدا پرستی ہی ہے۔ فرشتے بھی خدا ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔ نادان لوگ ان کو جو چاہیں بنا کر رکھ دیں لیکن وہ خود خدا کے فرمانبردار بندے ہیں وہ اس سے اکڑتے نہیں بلکہ بے چون و چرا اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (۵۰)

یعنی باایں ہمہ قرب و اتصال خدا کی بارگاہ عالی سے ان کا مقام بہت نیچے ہے۔ وہ اپنے اوپر خدا سے برابر ڈرتے رہتے ہیں۔ ناز اور تدلّل کے فتنہ میں کبھی مبتلا نہیں ہوتے، جو کچھ حکم ملتا ہے فوراً اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ (۵۱)

توحید کے حق میں خود خدا کی شہادت

یہ توحید کے حق میں خود خدا کی شہادت کا حوالہ ہے جو اس کے انبیاء اور رسولوں، کتابوں اور صحیفوں کے ذریعے سے لوگوں کو پہنچی ہے۔ فرمایا کہ اس نے لوگوں کو اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ سے یہی تعلیم دی ہے کہ دو معبود نہ بناؤ۔ میں ایک ہی معبود ہوں تو مجھی سے ڈرو۔

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ (۵۲)

'دین' کے معنی

'دِیْن' کے معنی یہاں اطاعت کے اور 'وَاصِب' کے معنی دائم کے ہیں۔

اطاعت 'واصب' کے معنی دائم

مطلب یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب خدا ہی کا ہے۔ وہی اطاعت کا حق دار ہے ہمیشہ۔ یعنی اس دنیا میں بھی اسی کی اطاعت ہونی چاہیے اور آخرت میں بھی اسی کی اطاعت ہوگی۔ اگر تم خدا کے سوا کسی اور سے ڈرتے ہو تو یہ سرتاسر تمھاری جہالت ہے۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــــَٔرُوْنَ (۵۳)

'جأر جأرًا وجوارًا' کے معنی تضرع اور فریاد کرنے کے ہیں۔

توحید کی انفسی دلیل

یہ توحید کی انفسی دلیل بیان ہوئی ہے کہ جتنی نعمتیں بھی تمھیں حاصل ہیں سب اللہ ہی کی بخشی ہوئی ہیں اور جب کبھی تمھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو تم خدا ہی کو پکارتے ہو۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اصل فطرت کے اندر صرف ایک ہی خدا کا شعور ہے، یہ دوسرے دیوی دیوتا جو تم نے بنا رکھے ہیں اصل فطرت کے اندر ان کی کوئی جگہ نہیں ہے چنانچہ جب کسی حقیقی پریشانی کا وقت آتا ہے تو یہ سارے بناوٹی دیوی دیوتا غائب ہو جاتے ہیں، صرف ایک ہی خدا باقی رہ جاتا ہے جس کا اعتقاد اصل فطرت کے اندر ودیعت ہے۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ (۵۴)

پھر جب خدا مصیبت کو دور کر دیتا ہے تو وہی پچھلی خرمستیاں پھر عود کر آتی ہیں۔ وہی دیوی دیوتا پھر جاگ پڑتے ہیں جو مصیبت کے وقت میں غائب ہو گئے تھے اور اسباب و وسائل کا وہی اعتماد پھر بحال ہو جاتا ہے جو پہلے دل و دماغ پر مسلط تھا۔ آدمی خدا کے بخشے ہوئے امن و اطمینان کو دوسروں کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیتا ہے اور خود خدا کو طاق نسیاں پر رکھ دیتا ہے۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۵۵)

یہ اس صورت حال کا نتیجہ بیان ہوا ہے کہ اس طرح انسان خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتا اور ان کو دوسروں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ 'فَتَمَتَّعُوْا' یہ دھمکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی ناشکری کر کے اس کی نعمتوں سے چند روز فائدہ اٹھا لو۔ عنقریب تمہارے سامنے اس کفرانِ نعمت کا نتیجہ آ جائے گا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ (۵۶)

شرک خدا پر افترا ہے

یعنی جن دیویوں دیوتاؤں کے بارے میں ان کے پاس کوئی دلیل و ثبوت نہیں، محض وہم و گمان کی بنا پر انھوں نے ان کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے، ان کو خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں میں حصہ دار بناتے ہیں، ان کے نام کے حصے بھی نکالتے ہیں اور بہت سی چیزوں کو ان کی طرف منسوب بھی کرتے ہیں کہ یہ ان کے فضل و کرم سے ان کو حاصل ہوئی ہیں۔ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ۔ یہ اپنی ذات کی قسم کھا کر ان کو دھمکی دی کہ یہ افترا جو تم خدا پر کر رہے ہو کہ اس نے فلاں اور فلاں کو اپنا شریک بنایا ہے، ایک دن اس کی تم سے پرسش ہونی ہے، خدا نے کسی کو اپنا شریک نہیں بنایا ہے، یہ محض تہمت ہے جو تم اس پر جوڑ رہے ہو۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ (۵۷)

شرک کا دہرا گھنونا پن

یہاں کے شرک کے دہرے گھنونے پن کو واضح فرمایا ہے کہ اول تو یہی بات نہایت بھونڈی ہے کہ خدا کا کسی کو شریک و سہیم ٹھہرایا جائے پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ جس چیز کو اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں اس کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ خود اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہیں لیکن خدا کے لیے انھوں نے بیٹیاں قرار دے رکھی ہیں۔ یہ امر یہاں واضح رہے کہ مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور اس خیال سے ان کی پوجا کرتے تھے کہ اگر یہ راضی رہیں تو اپنے باپ سے سب کچھ منوا لیتی ہیں۔ سُبْحٰنَهٗ، یعنی اللہ تعالیٰ اس طرح کی تمام نسبتوں سے پاک و منزہ ہے، کوئی اس کا بیٹا یا بیٹی نہیں، سب اس کی مخلوق ہیں۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۚ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (۵۸-۵۹)

یعنی خدا کی طرف تو انھوں نے بیٹیاں منسوب کر رکھی ہیں درآنحالیکہ بیٹیوں کے معاملے میں خود ان کا اپنا حال یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی کو یہ خبر دی جائے کہ اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے تو غم سے اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ ہر وقت رنج و الم سے گھٹا گھٹا رہتا ہے، اس کو اپنے لیے باعث ننگ سمجھ کر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور اس تردد میں پڑ جاتا ہے کہ ذلت گوارا کر کے اس کو زندہ رکھے یا اس کو زمین میں دفن کر کے اس ذلت سے چھٹکارا حاصل کرے۔

'اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ' یعنی جس چیز کو اپنے لیے مکروہ سمجھتے ہیں اسی چیز کو خدا کی طرف یوں بے تکلف منسوب کرتے ہیں، اتنی توفیق بھی نہیں ہوتی کہ خدا کی طرف اس چیز کو منسوب کرنے میں احتیاط کرتے جس چیز کو اپنے لیے اس درجہ مکروہ سمجھتے ہیں۔ افسوس کتنا برا فیصلہ ہے جو انھوں نے کیا۔

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۶۰)

یعنی اصل حقیقت تو یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے لیے بری تمثیل ہے اور اللہ کے لیے اعلیٰ صفتیں ہیں لیکن ان لوگوں نے معاملہ اس کے بالکل برعکس کر رکھا ہے۔ اللہ کی طرف تو وہ چیزیں

منسوب کرتے ہیں جن کو خود اپنے لیے بری سمجھتے ہیں اور اپنے لیے اچھے نتائج اور اچھے انجام کے مدعی ہیں، وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى (اور وہ اللہ کے لیے وہ چیزیں قرار دیتے ہیں جن کو اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹ دعویٰ کرتی ہیں کہ ان کے لیے اچھا انجام ہے)۔

۱۰۔ آگے کا مضمون —— آیات ۶۱ - ۶۴

مشرکین کو تنبیہ

آگے مشرکین کو تنبیہ ہے کہ خدا نے اگر تم کو مہلت دے رکھی ہے تو اس لیے دے رکھی ہے کہ اس کے ہاں ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا تو پھر نہ اس سے پیچھے ہٹ سکو گے نہ آگے بڑھ سکو گے۔ ساتھ ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ یہ جو کچھ تمھیں پیش آرہا ہے یہی کچھ تم سے پہلے رسولوں کو بھی پیش آچکا ہے۔ تمھارا کام لوگوں کو مومن و موحد بنا دینا نہیں ہے بلکہ لوگوں پر صرف اللہ کی حجت تمام کر دینا ہے۔

پیغمبر صلعم کو تسلی

آیات ۶۱-۶۴

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمۂ آیات ۶۱-۶۴

اور اگر اللہ لوگوں سے ان کی حق تلفی پر فوراً مؤاخذہ کرتا ہوتا تو زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک وقت معین تک لوگوں کو مہلت دیتا ہے تو جب ان کا وقت معین آجائے گا

تو اس سے نہ وہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ ۶۱

اور یہ اللہ کے لیے وہ چیز قرار دیتے ہیں جو خود اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ ان کے لیے اچھا انجام ہے، لازماً ان کے لیے دوزخ ہے اور وہ اسی میں پڑے چھوڑ دیے جائیں گے۔ ۶۲

خدا کی قسم! ہم نے تم سے پہلے بھی قوموں کی طرف رسول بھیجے تو شیطانوں نے ان کے اعمال ان کی نگاہوں میں کھبا دیے تو اب وہی ان کا رفیق ہے اور ان کے لیے ایک دردناک عذاب ہے۔ ۶۳

اور ہم نے تم پر کتاب صرف اس لیے اتاری ہے کہ تم ان پر اس چیز کو اچھی طرح واضح کر دو جس میں وہ مختلف ہو گئے ہیں اور یہ ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں۔ ۶۴

۱۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (۶۱)

کفر و شرک ظلم ہے — 'ظُلم' کے اصل معنی حق تلفی کے ہیں۔ چونکہ شرک و کفر سب سے بڑی حق تلفی ہے، جس کا ارتکاب کر کے بندہ اپنے رب کے سب سے بڑے حق کو بھی تلف کرتا ہے اور خود اپنی جان پر بھی سب سے بڑا ظلم ڈھاتا ہے، اس وجہ سے قرآن نے جگہ جگہ کفر و شرک کو ظلم سے تعبیر کیا ہے۔

مطالبۂ عذاب کا جواب — یہ کفار کے مطالبۂ عذاب کا جواب ہے کہ اللہ کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے کفر و شرک پر ان کو فوراً پکڑ لے۔ اگر وہ ایسا کرنے والا ہوتا تو زمین پر ایک جاندار کو بھی جینے کی مہلت نہ ملتی۔ بلکہ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ایک وقت معین تک مہلت دیتا ہے تاکہ جس کو توبہ و اصلاح کرنی ہو وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر توبہ و اصلاح کر لے ورنہ اپنا پیمانہ اچھی طرح بھر لے۔ ہاں جب وہ وقت معین آ جاتا ہے تو پھر اس سے نہ پیچھے ہٹنے کا موقع ملتا ہے نہ آگے بڑھنے کا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ (۶۲)

اَفْرَطَ الشَّیْءَ، نَسِیَہٗ وَتَرَکَہٗ' اس چیز کو بھلا دیا، چھوڑ دیا یعنی کفار و مشرکین دوزخ میں ڈال کر اسی میں پڑے چھوڑ دیے جائیں گے، پھر ان کی خبر نہیں لی جائے گی۔

مشرکین کی حماقت در حماقت

یہ ان کی حماقت در حماقت کی طرف اشارہ ہے کہ اول تو یہی بات عجیب ہے کہ انھوں نے خدا کی طرف بیٹیاں منسوب کر رکھی ہیں جن کی نسبت خود اپنی طرف ان کو گوارا نہیں پھر ان کے اعتماد پر یہ گمان کیے بیٹھے ہیں کہ اگر آخرت وغیرہ کا کوئی مرحلہ بالفرض پیش آیا تو ان کی بدولت ان کے لیے سب خیریت اور ہر مرحلہ میں کامیابی ہے۔ فرمایا کہ ان کے لیے لازماً دوزخ ہے اور وہ اس میں ایک مرتبہ ڈال کر ہمیشہ کے لیے اس طرح چھوڑ دیے جائیں گے کہ پھر ان کی خبر بھی نہیں لی جائے گی۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۶۳)

کفار کو دھمکی، پیغمبر صلعم کو تسلی

یہ کفار کو دھمکی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے کہ آج جو کچھ تمھیں پیش آ رہا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہی کچھ تم سے پہلے آنے والے رسولوں کو، ان کی قوموں کی طرف سے، پیش آ چکا ہے۔ ہم نے اپنے رسول بھیجے کہ لوگ ان کے ذریعے سے ہدایت کی راہ اختیار کریں لیکن لوگوں نے رسولوں کے بجائے شیطان ہی کو اپنا رہنما بنایا۔ اس نے ان کی نگاہوں میں ان کے اعمال کھبا دیے اور وہ اپنی گمراہیوں سے نکلنے پر راضی نہ ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اب وہی ان کا رفیق اور ساتھی ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۶۴)

پیغمبر صلعم کی ذمہ داری کی آخری حد

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کی حد بتا دی گئی ہے کہ یہ کتاب ہم نے تم پر اس لیے نہیں اتاری کہ لازماً تم اس کو لوگوں سے قبول ہی کرا دو، اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا لوگوں کی اپنی ذمہ داری ہے، تمھاری ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ اس کے ذریعہ سے اس دین حق کو اچھی طرح واضح کر دو جس میں لوگ مختلف ہو گئے ہیں تاکہ لوگوں کے لیے گمراہی پر جمے رہنے کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم احساس فرض کی شدت کے سبب سے بسا اوقات یہ محسوس فرمانے لگتے کہ لوگ جو ہدایت کی راہ اختیار نہیں کر رہے ہیں تو اس میں کہیں آپ کی کسی کوتاہی کو دخل نہ ہو۔ آپ کی اس الجھن کو دور کرنے کے لیے آپ کی ذمہ داری بتا دی گئی کہ آپ پر صرف واضح طور پر دین کو پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے اور بس۔ آگے اس مضمون کو مزید واضح فرما دیا ہے۔ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۔ ۸۹ (اور اس دن کو یاد کرو جس دن ہم ہر امت میں اسی کے اندر سے ایک گواہ اٹھائیں گے اور ہم تم کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے تم پر کتاب اتاری ہے ہر چیز کو واضح کر دینے کے لیے اور ہدایت و رحمت اور بشارت بنا کر اسلام اختیار کرنے والوں کے لیے)۔

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ یعنی یہ کتاب ہدایت ہے اپنے آغاز کے لحاظ سے اور رحمت ہے اپنے انجام کے لحاظ سے۔ جو لوگ اس ہدایت کو قبول کریں گے بالآخر وہی خدا کی رحمت کے مستحق ٹھہریں گے۔

۱۲۔ آگے کا مضمون —— آیات ۶۵-۸۳

مشرکین کو ملامت اور پیغمبر صلعم کو تسلی

اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں بخش رکھی ہیں آگے ان میں سے کچھ کو گنا کر مشرکین کو ملامت کی گئی ہے کہ ان میں سے کس نعمت کو وہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ جو لوگ جان بوجھ کر انجان بن رہے ہیں ان کو راستہ پر لا کھڑا کرنا تمھاری ذمہ داری نہیں ہے، تمھاری ذمہ داری صرف حق کو پہنچا دینے کی ہے۔

آیات ۶۵-۸۳ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ

ع ۹ ۱۴ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ

مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا

لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ

سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاَوْحٰى

رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا

يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ

يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۟ۙ

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ع ۹ ۱۵ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا

الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ

سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعۡمَةِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ
اَزۡوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ بَنِيۡنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمۡ مِّنَ
الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالۡبَاطِلِ يُؤۡمِنُوۡنَ وَبِنِعۡمَتِ اللّٰهِ هُمۡ يَكۡفُرُوۡنَ ۙ ﴿۷۲﴾ وَ
يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمۡلِكُ لَهُمۡ رِزۡقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ
الۡاَرۡضِ شَيۡـًٔا وَّلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ﴿۷۳﴾ ۚ فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰهِ الۡاَمۡثَالَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبۡدًا
مَّمۡلُوۡكًا لَّا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ وَّمَنۡ رَّزَقۡنٰهُ مِنَّا رِزۡقًا حَسَنًا فَهُوَ
يُنۡفِقُ مِنۡهُ سِرًّا وَّجَهۡرًا ؕ هَلۡ يَسۡتَوٗنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ
لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيۡنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبۡكَمُ لَا يَقۡدِرُ
عَلٰى شَىۡءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوۡلٰٮهُ ۙ اَيۡنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاۡتِ بِخَيۡرٍ ؕ هَلۡ
يَسۡتَوِىۡ هُوَ ۙ وَمَنۡ يَّاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۷۶﴾ ع وَلِلّٰهِ غَيۡبُ ١٠ ع ۴ ١۴
السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَاۤ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ
لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمۡ
تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمۡ يَرَوۡا اِلَى الطَّيۡرِ مُسَخَّرٰتٍ فِىۡ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا
يُمۡسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ
جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ جُلُوۡدِ الۡاَنۡعَامِ
بُيُوۡتًا تَسۡتَخِفُّوۡنَهَا يَوۡمَ ظَعۡنِكُمۡ وَيَوۡمَ اِقَامَتِكُمۡ ۙ وَمِنۡ اَصۡوَافِهَا

وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٨٠﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ
لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ
لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ كَذٰلِكَ
يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ
الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٨٢﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ
الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٣﴾ ع ١١ ١٧

ترجمہ آیات ۶۵-۸۳

اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی اتارا پس اس سے زمین کو زندہ کر دیا اس کے خشک ہو جانے کے بعد۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانی ہے جو بات کو سنتے ہیں۔ اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں بھی بڑا سبق ہے۔ ہم ان کے پیٹوں کے اندر کے گوبر اور خون کے درمیان سے تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں، پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار۔ اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے بھی، تم ان سے نشہ کی چیزیں بھی بناتے ہو اور کھانے کی اچھی چیزیں بھی۔ بے شک اس کے اندر بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ ۶۵-۶۷

اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر القا کیا کہ تو پہاڑوں اور درختوں اور لوگ جو چھتیں بناتے ہیں ان میں چھتے بنا، پھر ہر قسم کے پھلوں سے رس چوس پھر اپنے پروردگار کے ہموار راستوں پر چل۔ اس کے پیٹ سے مشروب نکلتا ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں، اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ بے شک اس کے اندر بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں۔ ۶۸-۶۹

اور اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا، پھر وہی تم کو وفات دیتا ہے اور تم میں سے بعض ارذل عمر کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں کہ جاننے کے بعد وہ کچھ نہ جانیں۔ بے شک اللہ ہی علم والا اور

قدرت والا ہے۔ ۷۰

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق کے معاملہ میں برتری دے رکھی ہے تو جن کو برتری دی گئی ہے وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کو نہیں دے دیتے کہ وہ اس میں برابر ہو جائیں تو کیا وہ اللہ کے فضل کا انکار کرتے ہیں۔ ۷۱

اور اللہ نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں اور تمھاری بیویوں سے تمھارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تمھیں پاکیزہ رزق عطا کیا، تو کیا یہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ ان کے لیے آسمان سے کسی رزق پر اختیار رکھتی ہیں، نہ زمین سے اور نہ وہ اس کی استطاعت ہی رکھتی ہیں۔ تو تم اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو۔ بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ۷۲-۷۴

اور اللہ مثال بیان کرتا ہے ایک غلام مملوک کی جو کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا اور اس کی جس کو ہم نے اپنی جانب سے اچھا رزق دے رکھا ہے جس میں سے وہ پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے، کیا یہ یکساں ہوں گے، شکر کا سزاوار اللہ ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور اللہ مثال بیان کرتا ہے دو شخصوں کی جن میں سے ایک گونگا ہے جو کسی چیز پر قادر نہیں ہے اور وہ اپنے آقا پر ایک بوجھ ہے، جہاں کہیں بھی وہ اس کو بھیجتا ہے وہ کوئی کام درست کر کے نہیں لاتا۔ کیا وہ اور وہ جو عدل کا حکم دیتا ہے اور وہ ایک سیدھی راہ پر ہے دونوں یکساں ہوں گے۔ ۷۵-۷۶

اور آسمانوں اور زمین کا بھید اللہ ہی کے لیے ہے اور قیامت کا معاملہ بس آنکھ جھپکنے کی طرح یا اس سے بھی جلد تر ہوگا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۷۷

اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تمہارے لیے سمع و بصر اور دل بنائے تاکہ تم شکر گزار بنو۔ ۷۸

کیا انھوں نے پرندوں کو آسمان کی فضا میں مسخر نہیں دیکھا؟ ان کو بس اللہ ہی تھامے ہوئے ہوتا ہے۔ بے شک اس کے اندر نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں۔ اور اللہ ہی نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کا سکون پیدا کیا اور تمہارے لیے چوپایوں کی کھال کے گھر بنائے جنھیں تم اپنے کوچ اور قیام کے دن ہلکا پھلکا پاتے ہو اور ان کے اون، ان کے رویں اور ان کے بالوں سے تمہارے لیے گھریلو سامان اور ایک وقت تک برتنے کی چیزیں بنائیں۔ ۷۹-۸۰

اور اللہ ہی نے تمہارے لیے اپنی پیدا کردہ چیزوں سے سایے بنائے اور تمہارے لیے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں اور تمہارے لیے ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس بنائے جو تمہاری جنگ میں تم کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تم پر اپنی نعمت تمام کرتا ہے تاکہ فرمانبردار رہو۔ ۸۱

پس اگر وہ اعراض کریں تو تمہارے اوپر صرف واضح طور پر پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔ یہ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں پھر ان سے انجان بنتے ہیں اور ان میں اکثر ناشکرے ہیں۔ ۸۲-۸۳

۱۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ (۶۵)

توحید کی دلیل توافق کے پہلو سے

آسمانوں سے پانی برسانا اور زمین کو اس کے خشک ہو جانے کے بعد اس پانی سے از سر نو زندہ اور شاداب کر دینا اس بات کی نہایت واضح دلیل ہے کہ آسمان اور زمین دونوں میں ایک ہی خدائے حکیم و قدیر کا ارادہ کارفرما ہے۔ اگر ان کے اندر الگ الگ مختلف ارادے کارفرما ہوتے، جیسا کہ مشرکین سمجھتے ہیں، تو یہ توافق

کہاں سے وجود میں آتا جس پر اس دنیا کے بقا کا انحصار ہے۔

بعث و نشر کی دلیل

پھر یہ نہایت واضح نشانی قیامت اور بعث و نشر کی بھی ہے۔ جو خدا زمین کے چٹیل اور خشک مردہ ہو جانے کے بعد بارش کے ایک ہی چھینٹے سے اس کو حیات تازہ بخش دیتا ہے اس کے لیے قیامت کے دن لوگوں کو ان کی قبروں سے اٹھا کھڑا کرنا کیا مشکل ہے۔

فعل اپنے حقیقی معنی میں

فعل 'یَسْمَعُوْنَ' یہاں اپنے حقیقی معنی میں ہے۔ یعنی جو لوگ بات کو کان کھول کر سنتے، اس کو سمجھتے اور اس کو قبول کرتے ہیں ان کے لیے تو اس کے اندر توحید اور قیامت سب کی دلیل موجود ہے۔ رہے وہ لوگ جو سننے اور سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں تو وہ خدا کے قانون کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کے کانوں کو کوئی چیز بھی نہیں کھول سکتی۔

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ (٦٦)

دودھ کی نعمت کی طرف اشارہ

پانی کی نعمت کے بعد یہ دودھ کی نعمت کی طرف اشارہ فرمایا کہ غور کرنے والوں کے لیے چوپایوں کے اندر بھی خدا کی رحمت و ربوبیت اور اس کی توحید کے بڑے درس موجود ہیں۔ یہ چوپائے اسی زمین کی گھاس اور سبزیاں چرتے ہیں، جو ان کے پیٹوں میں ایک مرحلہ میں گوبر بنتی ہیں اور ایک مرحلہ میں خون، پھر اسی گوبر اور خون کے درمیان کے مرحلہ سے دودھ پیدا ہوتا ہے جس میں نہ گوبر کا کوئی شائبہ ہوتا ہے اور نہ خون کا، وہ ہر آمیزش سے بالکل پاک اور پینے والوں کے لیے نہایت خوش گوار، لذیذ اور غذا بخش ہوتا ہے۔ یہ ساری صورت حال اس بات کی شاہد ہے کہ یہ ساری کائنات ایک ہی صناع و حکیم اور ایک ہی قدیر و رحیم کے ارادے کے تحت چل رہی ہے یا اس بات کی شاہد ہے کہ اس کے اندر مختلف ارادے اپنے اپنے طور پر کام کر رہے ہیں؟

حصولِ عبرت علم کی کلید ہے

'عِبْرَۃ' کے معنی ایک حقیقت سے دوسری حقیقت تک پہنچ جانا ہے۔ یہی عبرت علم کی کلید ہے۔ جس کے اندر یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں ان کے لیے ایک دروازہ کھلتا ہے تو اس کی روشنی میں دوسرے دروازے خود کھلتے جاتے ہیں۔ جو لوگ اپنی اس صلاحیت کو مردہ کر دیتے ہیں، ان کے عقل و دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں، وہ دیکھتے سب کچھ ہیں لیکن ان کو سوجھتا کچھ بھی نہیں۔

وَمِن ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (٦٧)

بعض اور نعمتوں کی طرف اشارہ

یعنی جس طرح اس نے چوپایوں سے تمہارے لیے دودھ پیدا کیا ہے اسی طرح کھجور اور انگور سے بھی تمہارے لیے غذا فراہم کی، تم ان سے نشہ کی چیزیں بھی بناتے ہو اور پاکیزہ غذا بھی حاصل کرتے ہو۔

یہاں 'رِزْقًا' کے ساتھ 'حَسَنًا' کی صفت لگا کر ضمناً اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ کھجور اور انگور اور اس طرح کی چیزوں سے نشہ آور چیزیں تیار کرنا ان کا صحیح استعمال نہیں ہے بلکہ یہ ان چیزوں کا سوءِ استعمال

ہے۔ ان کا صحیح استعمال یہی ہے کہ ان سے پاکیزہ اور صحت بخش غذا حاصل کی جائے جس سے جسم اور عقل دونوں کو توانائی حاصل ہو نہ کہ ان کو ایسی شکل میں تبدیل کر دیا جائے کہ وہ عقل اور دل کو ماؤف کر دینے والی بن جائیں۔

ان تنوعات کی حکمت

'اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ' یعنی اللہ نے اپنی نعمتوں میں یہ گوناگونی و بوقلمونی اس لیے رکھی ہے کہ سوچنے والے سوچیں اور سمجھنے والے سمجھیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دنیا اپنی بقا کے لیے ان تنوعات کی محتاج نہیں تھی، یہ بالکل سادہ اور یک رنگ بلکہ بالکل بے رنگ بھی ہو سکتی تھی لیکن اس کے خالق نے یہ چاہا کہ یہ اس کی صفات کا ایک پرتو اور مظہر ہو تاکہ غور کرنے والے غور کریں اور اس کی ایک ایک چیز سے اس کے خالق کی اعلیٰ صفات، اس کی بے نہایت قدرت و حکمت، اس کی غیر محدود رافت و رحمت، اس کی بے مثال ربوبیت و پروردگاری اور اس کی کامل وحدت و یکتائی کا کچھ تصور اور اس کی روشنی میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا احساس کریں۔

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (۶۸-۶۹)

'وحی' اور 'ذللا' سے مراد

'وحی' سے یہاں مراد وہ جبلی اور فطری وحی ہے جو ہر مخلوق کو اپنے اندر کی ودیعت کردہ صلاحیتیں استعمال کرنے کے لیے فاطر فطرت و جبلت کی طرف سے ہوئی ہے۔ 'ذُلُل' 'ذَلُوْل' کی جمع ہے جس کے اصل معنی مطیع و منقاد کے ہیں۔ یہاں 'سبل' کی صفت ہے اس وجہ سے اس کے معنی ہموار، سیدھے اور پٹے ہوئے راستوں کے ہوں گے۔

شہد کی نعمت کی طرف اشارہ

پھلوں کی نعمت کے بعد یہ شہد کی نعمت کا ذکر فرمایا جو شہد کی مکھیاں انہی پھلوں سے تیار کرتی ہیں۔ فرمایا کہ تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو یہ القا کیا کہ تو پہاڑوں، درختوں اور لوگوں کی بنائی ہوئی چھتوں میں اپنے چھتے بنا، پھر ہر قسم کے رس چوس اور تیرے رب نے تیری صلاحیتوں کے ظہور کے لیے جو راستے ہموار کر دیے ہیں ان پر سرگرمی کے ساتھ مصروف کار رہ۔ چنانچہ وہ اپنی جبلت کی رہنمائی میں پوری سرگرمی کے ساتھ مصروف کار رہتی ہے جس کے نتیجہ میں ان مکھیوں کے پیٹوں سے ایک مشروب برآمد ہوتا ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور جن میں لوگوں کے لیے ان کے مختلف امراض کا علاج ہے۔

آیات الٰہی سے فائدہ اٹھانے والوں کی صفتیں

'اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ' یہ ایک شہد کی مکھی کے اندر سے اللہ نے اپنی جو اتنی قدرت و حکمت اور اتنی رحمت و ربوبیت کا اظہار فرمایا یہ اس لیے فرمایا کہ لوگ تفکر و تدبر کریں، اس کائنات کے خالق کی صفات کو سمجھیں اور ان کے تقاضوں کی روشنی میں اپنی دنیا اور آخرت کو سنواریں۔

'یسمعون'، 'یعقلون' اور 'یتفکرون'

اوپر کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے فائدہ اٹھانے والوں کی بالترتیب تین صفتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک 'یَسْمَعُوْنَ' یعنی وہ کھلے کانوں سے معقول باتوں کو سنتے اور ان کو قبول کرتے ہیں، دوسری

'یَعْقِلُوْنَ' یعنی وہ اپنی عقل سے کام لیتے ہیں اور سوچنے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، تیسری 'یَتَفَکَّرُوْنَ' یعنی وہ برابر اسرارِ کائنات میں تفکر و تدبر کرتے اور حقائق سے حقائق تک پہنچنے کی سعی میں لگے رہتے ہیں۔

یہی صفتیں انسانیت کا اصلی جوہر ہیں اور ان میں ایک حکیمانہ تدریج و ترتیب ہے۔

پہلا مرحلہ: 'یَسْمَعُوْنَ'

اس کائنات کے حقائق میں سے بے شمار حقائق ایسے ہیں جو بدیہیاتِ فطرت کے حکم میں داخل ہیں۔ ان کو سمجھنے کے لیے کسی بڑی کاوش کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک معقول انسان اول تو ان کو خود سمجھتا ہے اور اگر خود نہیں سمجھتا ہے تو چونکہ معقول باتوں کے لیے اس کے کان کھلے ہوئے ہوتے ہیں اس وجہ سے دوسرے کسی معقول آدمی کی زبان سے ان کو سنتے ہی 'از دل ریزد بر دل ریزد' کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔

دوسرا مرحلہ: 'یَعْقِلُوْنَ'

دوسرا مرحلہ 'یَعْقِلُوْنَ' کا ہے جہاں سوچنے سمجھنے اور عقل سے کام لینے کی ضرورت پڑتی ہے جہاں مقدمات کی ایک ترتیب ہوتی ہے اور پھر ان سے نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ یہ مرحلہ پہلے مرحلہ سے اونچا ہے اور علم کی راہ میں اس کے ثمرات بھی زیادہ وقیع ہیں لیکن ہے یہ عام عقل کی دسترس کی چیز۔ جو لوگ اپنی عقل کی قدر کرتے اور اس نعمت سے فائدہ اٹھاتے ہیں وہ اس کی برکات سے محروم نہیں رہتے۔

تیسرا مرحلہ: 'یَتَفَکَّرُوْنَ'

تیسرا مرحلہ 'یَتَفَکَّرُوْنَ' کا ہے یہ سب سے اونچا مرحلہ ہے۔ یہ ان لوگوں کا مقام ہے جو اسرارِ کائنات میں برابر غور کرتے اور علم کے مدارج برابر طے کرتے رہتے ہیں۔ یہ حکماء کا درجہ ہے۔ جس طرح شہد کی مکھی اپنی بے مثال کاوش سے طرح طرح کے پھولوں سے رس چوس کر شہد بناتی ہے جس میں لوگوں کے لیے غذا اور شفا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ اپنے تدبر و تفکر کی کاوشوں سے حکمت کا شہد جمع کرتے ہیں جس میں عقل و دل کے امراض کا مداوا ہوتا ہے۔ وہ خود بھی اس سے آسودہ رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس سے فیض پہنچتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ (۷۰)

زندگی اور موت خدا کی طرف سے ہے

یعنی زندگی اور موت اور عمر کی چھوٹائی اور بڑائی بھی خدا ہی کی طرف سے ہے۔ چنانچہ تم میں سے کتنے ہیں جو بچپن یا جوانی ہی میں مر جاتے ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو ارذلِ عمر تک پہنچتے ہیں یہاں تک کہ ان کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ نہیں جانتے۔ علیم و قدیر خدا ہی ہے۔ وہی تمام علم کا منبع ہے اور وہی ہر چیز کے لیے اندازے اور پیمانے مقرر کرتا ہے۔

عمر کا طول و قصر خدا کی طرف سے ہے

'وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ' کا اسلوبِ بیان اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اس سے پہلے کلام میں کچھ حذف ہے۔ یعنی تم میں کچھ تو بچپن یا جوانی ہی میں مر جاتے ہیں اور کچھ ارذلِ عمر کو پہنچتے ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عمر کا طول و قصر خدا ہی کی طرف سے ہے، اس میں کسی دوسرے کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

قدرت کا ایک اشارہ

'لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا' میں 'لِكَيْ' کا صحیح حق ادا کیجیے تو اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ قدرت کچھ لوگوں کو ارذلِ عمر تک پہنچا کر یہ حقیقت ظاہر کرنا چاہتی ہے کہ علم و عقل اور قدرت و اختیار سب خدا ہی کا عطیہ

ہے۔ وہی انسان جس کو اپنے علم اور اپنی عقل پر بڑا ناز ہوتا ہے ایک وقت اس پر ایسا آتا ہے جب وہ خود بھی دیکھ لیتا ہے اور دوسرے بھی دیکھ لیتے ہیں کہ وہ شیر خوار بچوں کی طرح عقل و علم اور قدرت و اختیار سے بالکل عاری ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کو اپنے تن بدن تک کا کچھ ہوش نہیں رہ جاتا۔ وہ تمام تر دوسروں پر انحصار کرتا اور اپنی ضروریات میں ان کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کی تمام علمی و عقلی صلاحیتیں اسی خدا کی طرف واپس ہو جاتی ہیں جو ان کا اصل عطا کرنے والا ہے اس لیے کہ علیم و قدیر خدا ہی ہے۔ جس کو جس حد تک بھی علم و قدرت کی نعمت ملتی ہے خدا ہی سے ملتی ہے اس وجہ سے اس پر فخر و غرور جائز نہیں ہے بلکہ اس کا شکر واجب ہے۔

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ فِی الرِّزۡقِ ۚ فَمَا الَّذِیۡنَ فُضِّلُوۡا بِرَآدِّیۡ رِزۡقِہِمۡ عَلٰی مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَہُمۡ فِیۡہِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعۡمَۃِ اللّٰہِ یَجۡحَدُوۡنَ (۷۱)

رزق بھی خدا ہی کا عطیہ ہے

عمر اور علم و عقل کی طرح رزق بھی خدا ہی کا عطیہ ہے۔ اسی نے کسی کو کم دیا ہے اور کسی کو زیادہ۔ یہ کسی کے اپنے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ جتنا چاہے اپنے رزق میں اضافہ کر لے۔ اس وجہ سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ خدا ہی کا شکر گزار ہو اور اللہ کے بخشے ہوئے رزق و فضل کو دوسروں کی طرف منسوب کر کے اصل رازق کی ناشکری نہ کرے۔

انسانی فطرت کی ایک حقیقت

فَمَا الَّذِیۡنَ فُضِّلُوۡا بِرَآدِّیۡ رِزۡقِہِمۡ الآیۃ۔ یہ انسانی فطرت کی ایک حقیقت کی طرف توجہ دلا کر اس سے جو سبق حاصل ہوتا ہے اس کو سامنے رکھا ہے کہ تمہارا اپنا حال تو یہ ہے کہ جن کو رزق میں برتری حاصل ہے وہ یہ نہیں کرتے کہ اپنی دولت اپنے غلاموں اور مزدوروں میں بانٹ کر خود ان کے برابر ہو جائیں اور ان کو اپنے برابر کر لیں تو خدا کے متعلق تم نے کیسے یہ فرض کر لیا کہ وہ اپنی بنائی ہوئی دنیا اپنے غلاموں اور مملوکوں میں بانٹ کر خود ان کی سطح پر آ گیا ہے۔ یہ تو خدا کی نعمتوں کا صریح انکار ہے کہ اس کی بخشی ہوئی چیزوں کو ان کی طرف منسوب کیا جائے جن کو ان کے پیدا کرنے میں سرمو دخل نہیں۔

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ بَنِیۡنَ وَ حَفَدَۃً وَّ رَزَقَکُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ اَفَبِالۡبَاطِلِ یُؤۡمِنُوۡنَ وَ بِنِعۡمَتِ اللّٰہِ ہُمۡ یَکۡفُرُوۡنَ (۷۲)

بیوی بچوں کی نعمت خدا ہی سے ملی ہے

یعنی رزق و فضل کی طرح بیوی بچوں کی نعمت بھی تمہیں خدا ہی سے ملی ہے۔ اسی نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں اور ان سے بیٹوں اور پوتوں کا سلسلہ جاری کیا اور پاکیزہ چیزیں کھانے اور برتنے کو دیں۔ ان نعمتوں کا حق تو یہ تھا کہ لوگ خدا ہی کا شکر کرتے اور اسی پر ایمان لاتے لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ باطل معبودوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور اصل منعم کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔

وَ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمۡلِکُ لَہُمۡ رِزۡقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ شَیۡئًا وَّ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ (۷۳)

ایمان بالباطل کی تفصیل

یہ اس ایمان بالباطل اور ناشکری کی تفصیل ہے کہ وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ آسمان سے ان کے لیے کوئی رزق اتارنے پر اختیار رکھتی ہیں نہ زمین سے کوئی چیز برآمد کرنے پر۔ اور صرف یہی نہیں کہ بالفعل ان کو اختیار حاصل نہیں ہے بلکہ اگر وہ چاہیں بھی اور اس کے لیے اپنا پورا زور بھی صرف کر ڈالیں جب بھی ان کو اس کا اختیار حاصل نہیں ہو سکتا۔

فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۷۴)

صفات الٰہی کے باب میں تمثیل سے احتراز کی ہدایت

'ضَرْبِ مَثَل' سے یہاں مراد تمثیل و تشبیہ کو ذریعہ بنا کر خدا کے لیے صفتیں بیان کرنا ہے۔ مثلاً یہ کہ اپنے اوپر قیاس کر کے یہ کہا جائے کہ خدا کے بیٹیاں ہیں یا دنیوی بادشاہوں پر قیاس کر کے خدا کو ان کی جیسی صفات سے متصف کیا جائے۔ شرک کے بیشتر دروازے اسی تمثیل و تشبیہ سے کھلے ہیں اس وجہ سے اوپر کی آیات میں خدا کی صفات کے باب میں صحیح رہنمائی دے کر اس فتنہ کے دروازے کو بند کر دیا۔ فرمایا کہ خدا کی صفات کے معاملے میں تشبیہ و قیاس کو رہنما نہ بناؤ۔ خدا اپنی صفات کو خود ہی جانتا ہے، تم نہیں جانتے اس وجہ سے اپنی صفتیں جو وہ بتاتا ہے ان کو مانو اور ان پر ایمان لاؤ۔ یہی راستہ ہدایت کا ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ
مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۷۵)

خدا کی بیان کردہ تمثیل

یعنی اگر مثال ہی سننی ہے تو خدا مثال بیان کرتا ہے اس کو سنو۔ ایک طرف ایک غلام مملوک ہے جس کو کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں ہے اور دوسری طرف ایک آزاد ہے جس کو خدا نے خوب رزق و فضل دے رکھا ہے، وہ پوری آزادی سے پوشیدہ اور علانیہ اس میں سے خرچ کرتا ہے کیا یہ دونوں یکساں ہوں گے ظاہر ہے کہ نہیں، تو پھر خدا اور اس کے مملوکوں کو کس طرح یکساں کر دیتے ہو؟

'اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ' یعنی صحیح طور پر سوچیں تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو گی کہ شکر کا سزاوار اللہ ہے لیکن ان میں سے اکثر اس بدیہی حقیقت سے واقف نہیں۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ
لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۷۶)

ایک دوسری تمثیل

یعنی ایک دوسری تمثیل سنو۔ دو شخص ہیں جن میں سے ایک گونگا بہرا[1] غلام ہے، کسی چیز پر کوئی قدرت نہیں رکھتا، وہ اپنے آقا پر ایک بوجھ ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی اس کو بھیجتا ہے کوئی کام وہ صحیح کر کے نہیں لاتا اور ایک دوسرا شخص ہے جو آزاد ہے، دوسروں کو عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے اور خود بھی سیدھے راستہ پر ہے۔ کیا یہ دونوں شخص یکساں ہوں گے؟ اگر نہیں تو پھر تم خدا اور اس کی عاجز و بے بس مخلوقات کو

---

[1] یہ واضح رہے کہ گونگے اکثر حالات میں بہرے بھی ہوتے ہیں۔

یکساں کیسے کیے دیتے ہو۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (٧٧)

اثنائے کلام میں ایک تنبیہ

یہ اثنائے کلام میں ضدی مخاطبوں کو ایک تنبیہ ہے کہ قیامت کو بہت بعید نہ سمجھو۔ اگر اس کا وقت معلوم نہیں ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ آئے گی ہی نہیں۔ آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ ہی کے علم میں ہے۔ جب وہ اس کو لانا چاہے گا تو وہ آنکھ جھپکنے کی طرح آجائے گی بلکہ اس سے بھی جلد تر۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْــِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (٧٨)

اللہ کی نعمتوں کا حق

یعنی انسان جب پیدا ہوتا ہے تو صرف ایک مضغۂ گوشت ہوتا ہے، عقل و علم اور قوت و صلاحیت سے بالکل عاری۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو سمع و بصر اور دل و دماغ کی قوتیں عطا فرماتا ہے۔ ان نعمتوں کا حق یہ ہے کہ تم اللہ کے شکرگزار بنو لیکن اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان نعمتوں کو پاکر ان کو خدا ہی کی ناشکری کا ذریعہ بناتے ہیں۔ اسی مضمون کو سورۂ ملک میں یوں بیان فرمایا ہے۔ قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (کہہ دو کہ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمھیں سمع و بصر اور دل عطا فرمائے لیکن تم بہت کم شکرگزار ہوتے ہو)۔

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَاۗءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (٧٩)

آیاتِ الٰہی کی طرف اشارہ

یعنی اگر یہ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو انھیں معلوم ہو کہ ہر چیز کو اس کی ضرورت کی چیزیں خدا ہی کی عنایت سے ملی ہیں۔ پرندے فضا میں اڑتے ہیں۔ آخر خدا کے سوا کون ہے جو ان کو فضا میں تھامتا ہے۔ سورۂ ملک میں ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰۗفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ڼ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ (کیا انھوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا، وہ اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے بھی ہوتے ہیں اور ان کو سمیٹ بھی لیتے ہیں، ان کو خدائے رحمان ہی تھامتا ہے، بے شک وہ ہر چیز کی دیکھ بھال کرنے والا ہے)۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ یعنی جو لوگ ایمان لانا چاہیں ان کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ اس میں سب سے بڑی نشانی تو اس بات کی ہے کہ اس کائنات کا خالق رحمان و رحیم ہے، اس نے جو چیز بھی پیدا کی اس کو ضرورت کی تمام چیزیں مہیا کیں اور اس کو ان کے استعمال کا سلیقہ عطا فرمایا۔ اس میں اس بات کی بھی نشانی ہے کہ یہ کائنات ایک ہی خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ کے تصرف

میں ہے، وہی اس کے اضداد میں توافق و سازگاری پیدا کرتا ہے اور فضا کو پرندوں کی جولانگاہ بنا دیتا ہے۔
اس میں اس بات کی بھی نشانی ہے کہ جو چیز جہاں تھمی ہوئی ہے خدا ہی کے تھامے تھمی ہوئی ہے اگر وہ
نہ تھامے تو کوئی چیز بھی اپنی جگہ پر ٹکی نہیں رہ سکتی۔ سورہ ملک میں ہے۔ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ
ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ۝ أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ
بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ۝ أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ
كَيْفَ نَذِيرِ (۱۵-۱۷) (وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرمانبردار بنا دیا تو اس کے مونڈھوں پر چلو پھرو،
اور اس کے رزق میں سے کھاؤ اور اسی کی طرف اکٹھے ہونا ہے۔ کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے بے خوف
ہو گئے کہ وہ تمہارے سمیت زمین کو دھنسا دے، پس وہ دفعۃً چکر کرنے لگے۔ کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے
بے خوف ہو گئے کہ وہ تم پر سنگریزے برسا دینے والی آندھی بھیج دے تو تم جان لو گے کہ میرا ڈراوا کیسا ہے)

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّن بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُم مِّن جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ
ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ (۸۰)

خود اپنے حالات پر غور کرنے کی دعوت

یعنی پرندوں کو تو تم نے دیکھا کہ ان کا خیمہ و خرگاہ سب ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اب ذرا اپنے حالات
پر غور کرو کہ اللہ نے کس کس طرح تم کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے تمہارے گھروں
کو وجہ سکون و راحت بنایا، دن بھر کے تھکے ماندے جب تم اپنے گھروں کو واپس لوٹتے ہو تو کیسی راحت پاتے ہو
اور رات کی تاریکی میں کیسی حفاظت کا احساس کرتے ہو۔ پھر خدا ہی ہے جس نے جانوروں کی کھالوں کو خیمے بنانے
کے لیے موزوں بنا دیا جن سے تم خیمے بنا لیتے ہو جو تمہارے کوچ و قیام کے لیے نہایت ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔
پھر انہی جانوروں کی اون اور ان کے بالوں سے تم اپنے دوسرے سامان اور ضرورت کی چیزیں تیار کر لیتے ہو
جو تمہارے کام آتی ہیں۔

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ
الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ (۸۱)

بعض اور نشانیوں کی طرف اشارہ

پھر اور دیکھو، یہ خدا ہی ہے جس نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں تمہارے لیے سایہ پیدا کر دیا۔ تمہارے
لیے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنا دیں، تمہارے لیے ایسے لباس بنا دیے جو گرمی اور سموم کی لپیٹ سے تمہیں بچاتے
اور جنگوں میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ نے یہ اتمام نعمت تم پر اس لیے کیا کہ تم خدا کے سوا کسی اور کے
محتاج نہ رہو اور اپنے آپ کو کلیتہً اپنے رب ہی کے حوالے کرو۔

لباس کے ذکر میں گرمی سے حفاظت کا جو حوالہ آیا ہے یہ قرآن کے ابتدائی مخاطب اہل عرب کی رعایت
سے ہے بلکہ اس سے اوپر جو چیزیں مذکور ہوئی ہیں ان میں بھی اہل عرب اور ان کی بدویانہ زندگی کی رعایت
ملحوظ ہے۔ کلام کے حسن اور اس کے اثر کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے خطاب کے اس پہلو کا لحاظ رکھنا بھی ضروری

ہوتا ہے۔

روزمرہ کے استعمال کی اشیاء کی نعمت

یہ امر بھی ملحوظ رکھیے کہ اوپر جن چیزوں کے حوالے آئے ہیں یہ روزمرہ زندگی کی عام چیزیں ہیں جن سے مخاطب گروہ کے ہر شخص کو سابقہ تھا۔ قرآن نے ان کا ذکر کرکے گویا توجہ دلائی ہے کہ جب ان چیزوں میں سے بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کو تم خدا کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر سکو تو خدا کے سوا تم دوسروں کو کیوں پوجتے ہو؟ آخر وہ کس مرض کی دوا ہیں؟ پھر تو تمھیں بالکلیہ اپنے آپ کو خدا ہی کے حوالے کرنا چاہیے جس نے تمھاری چھوٹی چھوٹی ضروریات تک کا اہتمام کیا۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (۸۲)

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ارشاد ہے کہ اگر یہ اعراض و انکار پر جم گئے تو تم زیادہ ان کے درپے نہ ہو تمہارے اوپر ان کے ایمان کی ذمہ داری نہیں ہے، صرف واضح طور پر حق کو پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔ تم اپنا فرض ادا کرکے ان کو ان کے حال پر چھوڑو۔ یہ اپنی اس ضد کا انجام خود دیکھیں گے۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ (۸۳)

یعنی یہ بات نہیں ہے کہ یہ باتیں ان کی سمجھ میں نہ آ رہی ہوں، آخر ایسا کون کون ہو سکتا ہے کہ یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ ساری نعمتیں اللہ ہی کی بخشی ہوئی ہیں۔ یہ لوگ جان کر انجان بنتے ہیں اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں، ان کے اندر سے ایمان لانے والے تھوڑے ہی نکلیں گے۔ تو ان کو ان کے حال پر چھوڑو، یہ خود بھگتیں گے۔

۱۴۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۸۴-۹۰

رسول اتمام حجت کا آخری ذریعہ ہے

اوپر رسولوں کی ذمہ داری کی آخری حد واضح کر دی گئی ہے۔ آگے اسی تعلق سے یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ رسول کے ذریعے سے اتمام حجت، کے بعد کسی قوم کے لیے گمراہی پر قائم رہنے کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے گا جس کو وہ خدا کے سامنے پیش کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں حق کی تبلیغ اور اتمام حجت، کے لیے اپنے رسول بھیجے۔ وہ ان سے قیامت کے دن گواہی دلوا دے گا کہ انھوں نے اللہ کا پیغام لوگوں کو پہنچا دیا۔ یہی حیثیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امت کے لوگوں کے لیے ہے۔ اسی مقصد کے لیے اللہ نے آپ پر یہ کتاب اتاری ہے۔ اس کتاب کا جو بنیادی پیغام ہے آخر میں اس کا اجمالی حوالہ ہے۔ آیات کی تلاوت کیجیے۔

آیات ۸۴-۹۰

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ

قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ
فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٨٦﴾ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ۨ الثلثة
السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٨٧﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ
صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا
يُفْسِدُوْنَ ﴿٨٨﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ
اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ
تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾ ع ١٢ ع ١٨
اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى
عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٩٠﴾

ترجمۂ آیات ٨٤-٩٠

اور یاد کرو اس دن کو جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے، پھر جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا نہ ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے یہ فرمائش ہوگی کہ وہ خدا کو راضی کریں۔ اور جب وہ لوگ، جنھوں نے ظلم کیا ہوگا، عذاب کو دیکھ لیں گے تو پھر نہ وہ ان سے ہلکا ہی کیا جائے گا اور نہ انھیں مہلت ہی دی جائے گی۔ اور جب وہ لوگ، جنھوں نے شرک کیا ہے، اپنے شریکوں کو دیکھیں گے، پکاریں گے کہ اے ہمارے رب یہی ہمارے وہ شرکاء ہیں جن کو ہم تجھے چھوڑ کر پکارتے رہے تو وہ ان پر بات پھینک ماریں گے کہ تم بالکل جھوٹے ہو۔ اور وہ اس دن اللہ کے آگے سپر ڈال دیں گے اور جو کچھ وہ افترا کرتے رہے تھے وہ سب ہوا ہو جائے گا۔ جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا ہم ان کے عذاب پر عذاب کا اضافہ کریں گے بوجہ اس کے کہ وہ فساد مچاتے رہے۔ ٨٤-٨٨

اور یاد کرو جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ ان پر انھیں میں سے اٹھائیں گے اور تم کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے تم پر کتاب اتاری ہے ہر چیز کو کھول دینے کے لیے اور وہ ہدایت، اور رحمت اور بشارت ہے فرماں برداروں کے لیے۔ بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا اور ذوی القربیٰ کو دیتے رہنے کا اور روکتا ہے بے حیائی، برائی اور سرکشی سے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔ ۸۹-۹۰

۱۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ۔ (۸۴)

'امۃ' سے امت دعوت مراد ہے

'اُمَّۃ' سے یہاں مراد امت دعوت ہے جس کی طرف کسی رسول کی بعثت ہوتی ہے۔

'شہید' سے مراد رسول ہے

'شَہِیۡد' سے مراد رسول ہے اس لیے کہ وہی دنیا میں اپنی قوم کے لوگوں پر حق کی گواہی دیتا ہے اور وہی قیامت کے دن گواہ بنا کر کھڑا کیا جائے گا اور گواہی دے گا کہ اس نے اللہ کا دین لوگوں کو پہنچا دیا تھا۔

'ثُمَّ لَا یُؤۡذَنُ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا' کے بعد کلام میں حذف ہے جس پر قرینہ دلیل ہے۔ یعنی قیامت کے روز رسولوں کی گواہی کے بعد کافروں کو یہ اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ عذر و معذرت کے لیے زبانیں کھولیں۔

'استعتاب' کا مفہوم

'اِسۡتِعۡتَاب' کے معنی ہیں کسی کا کسی سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ اس کی وجہ شکایت کو رفع کر کے اس کو راضی کرے۔ یہاں اس سے یہ مراد ہے کہ قیامت میں کافروں اور نافرمانوں سے یہ فرمائش نہیں کی جائے گی کہ وہ خدا کو راضی کرنے کی کوشش کریں اس لیے کہ اس وقت سعی و عمل کے دروازے بند ہو چکیں گے اور جزا و سزا کا مرحلہ شروع ہو جائے گا۔ ما بعد الموت من مستعتب ولا بعد الدنیا دار الا الجنۃ او النار۔

کفار کو تنبیہ

یہ کفار کو تنبیہ ہے کہ اپنی سرکشی میں بہت آگے نہ بڑھتے جاؤ۔ اس دن کو بھی یاد رکھو جس دن ہر امت میں سے اس کی طرف بھیجے ہوئے رسول کو ہم گواہ بنا کر اٹھائیں گے اور اسی سے گواہی دلوائیں گے کہ اللہ کا پیغام اس نے پورا پورا لوگوں کو پہنچا دیا تھا۔ پھر نہ کسی کو عذر و معذرت پیش کرنے کے لیے زبان کھولنے کی اجازت دی جائے گی اور نہ کسی سے یہ کہا جائے گا کہ وہ اللہ کے غضب کو دور اور اس کو راضی کرنے کی کوشش کرے اس لیے کہ رسول کے اتمام حجت کے بعد نہ کسی عذر و معذرت کا موقع باقی رہتا اور نہ قیام قیامت کے بعد خدا کو راضی کرنے کے لیے کسی سعی کا۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ (۸۵)

'اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا' سے یہاں مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے شرک کر کے خدا کے حقوق بھی تلف کیے اور اپنی جانوں پر بھی ظلم ڈھائے۔ فرمایا کہ یہ ظالم لوگ جب قیامت کے دن خدا کے عذاب کی پکڑ میں آجائیں گے تو پھر نہ اس عذاب میں کوئی تخفیف ہی ہوگی، اور نہ عارضی طور پر ہی ان کو اس سے مہلت نصیب ہوگی، پھر وہ عذاب سخت سے سخت تر ہی ہوتا جائے گا اور اس کے تسلسل میں بھی کوئی انقطاع واقع نہ ہوگا۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِن دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ (٨٦)

مشرکین اور ان کے شرکاء میں ردوبدل

یعنی آج یہ مشرکین اپنے جن شریکوں پر اعتماد کیے بیٹھے ہیں وہ بھی روبرو ان کو جھوٹا قرار دیں گے۔ یہ جب اپنے ان شریکوں کو دیکھیں گے تو پکاریں گے کہ اے پروردگار! یہی ہیں وہ جن کو ہم تیرے سوا پکارتے رہے ہیں۔ وہ جھٹ ان کے منہ پر بات پھینک ماریں گے کہ تم بالکل جھوٹے ہو۔ یعنی ہمیں کیا خبر کہ تم ہمیں پکارتے رہے ہو۔ اگر تم اس حماقت و جہالت میں مبتلا رہے ہو تو ذمہ داری سرتاسر تمھاری ہے، تم اس کو بھگتو۔ ہمیں اس میں کیوں گھسیٹنے کی کوشش کر رہے ہو۔ ہم نے تم سے کب کہا تھا کہ تم خدا کو چھوڑ کر ہمیں پکارو۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ مشرکین کا یہ کہنا کہ یہی ہیں ہمارے شریک جن کو ہم تیرے سوا پکارتے رہے ہیں، فی الجملہ اپنے آپ کو بری ٹھہرانے کے لیے ہوگا کہ اصل مجرم یہ ہیں جن کے سبب سے ہم گمراہ ہوئے، اس روشنی میں دیکھیے تو شرکاء کے جواب کی تلخی کا اصل رخ واضح ہوگا۔

وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (٨٧)

لفظ 'سَلَم' کی تحقیق آیت ۲۸ کے تحت گزر چکی ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ جن کی زندگی بھر پوجا کرتے رہے وہی روبرو ان کو جھوٹا قرار دیں گے تو ان کے لیے عذر و معذرت اور اپنی برأت میں کچھ کہنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جائے گی۔ پھر تو وہ بالکل بے بس ہو کر سپر ڈال دیں گے اور ان کے وہ دیوی دیوتا، جن کو خدا پر افترا کر کے انھوں نے خدا کا شریک بنایا تھا، سب غائب ہو جائیں گے۔

یہاں شرک کو 'افترا' سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین جن کو پوجتے تھے ان کی نسبت بالکل بے سند وہ یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ خدا نے ان کو اپنا شریک بنایا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صریح افترا علی اللہ ہے۔

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ (٨٨)

شرک کے لیڈروں کے لیے مزید عذاب

یہ کفار و مشرکین کے ان لیڈروں کی طرف اشارہ ہے جو صرف خود ہی مبتلائے کفر و شرک نہیں تھے بلکہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ فرمایا کہ ہم ان کے اس افساد کی پاداش میں ان کے عذاب پر عذاب کا اضافہ کریں گے۔ ان کو خود ان کی گمراہی کی بھی سزا بھگتنی ہوگی اور دوسروں کی گمراہی میں ان کا جو حصہ ہوگا اس کے بقدر وہ اس کی سزا بھی بھگتیں گے۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا
عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ (۸۹)

نبی صلعم دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث ہوئے

یہ مضمون اوپر آیت ۸۴ میں بھی گزر چکا ہے۔ یہاں یہ اضافہ ہے کہ جِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ یعنی جس طرح ہم تمام امتوں میں سے ایک گواہ ان پر کھڑا کریں گے اسی طرح تم کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر اٹھائیں گے۔ "ان لوگوں پر" یعنی ان اہل عرب پر جن کی طرف تمھاری بعثت براہ راست ہے اور جو تمھاری امت دعوت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ امر واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ اہل عرب کی طرف آپ کی بعثت براہ راست ہوئی اور تمام خلق کی طرف آپ کی امت کے واسطہ سے جس کو شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ کی حیثیت حاصل ہے اور جس پر اب قیامت تک خلق کی رہنمائی کی ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔

کتاب الٰہی اتمام حجت کا ذریعہ ہے

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ یہ اس چیز کا حوالہ ہے جو اس دنیا میں حق کی گواہی اور لوگوں پر اتمام حجت کا ذریعہ ہے۔ فرمایا کہ تمھارے اسی فرض منصبی کے تقاضے سے ہم نے تم پر کتاب اتاری ہے جو شہادت حق کے لیے تمام پہلوؤں سے جامع اور مکمل اور ہر متعلق چیز کو اچھی طرح واضح کر دینے والی ہے تاکہ کسی کے لیے گمراہی پر جمے رہنے کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ اس کتاب کی تعریف میں مزید یہ فرمایا کہ هُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ یہ ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے جو اپنے آپ کو بالکلیہ اپنے رب کے حوالے کر دیں۔ یہ ان کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرے گی پھر جو اس صراط مستقیم کو اختیار کر لیں گے ان پر خدائے رحمان و رحیم کی عظیم رحمت ہوگی اور یہ عظیم رحمت کی پیشگی بشارت ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ
يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (۹۰)

قرآنی اوامر و منہیات کا خلاصہ

یہ عظیم آیت تمام قرآنی اوامر و منہیات کا خلاصہ ہے۔ قرآن جن باتوں کا حکم دیتا ہے ان کی بنیادیں بھی اس میں واضح کر دی گئی ہیں اور جن چیزوں سے وہ روکتا ہے ان کی اساسات کی طرف بھی اس میں اشارہ ہے۔ تمام قرآنی اوامر کی بنیاد عدل، احسان اور ذوی القربیٰ کے لیے انفاق پر ہے اور اس کی منہیات میں وہ چیزیں داخل ہیں جن کے اندر فحشاء، منکر اور بغی کی روح فساد پائی جاتی ہے۔ یہاں اس کا حوالہ دینے سے مقصود ان لوگوں کو متنبہ کرنا ہے جو قرآن کی مخالفت میں اپنا ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے تھے تاکہ وہ سوچیں کہ جس چیز کی وہ مخالفت کر رہے ہیں اس کی تعلیم کیا ہے اور اس کی مخالفت سے کس عدل و خیر کی مخالفت اور کس شر و فساد کی حمایت لازم آتی ہے۔

یہاں نہایت اجمال کے ساتھ صرف اوامر و منہیات کی اساسات کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ کس طرح کے احکام ہیں جو عدل و احسان کے تحت آتے ہیں اور کس نوعیت کی منہیات ہیں جو فحشاء، منکر یا بغی میں داخل ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل اس سے آگے کی سورہ — سورہ بنی اسرائیل آیات ۲۲-۳۹ میں آئی

ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل سورۂ نحل کے مثنیٰ کی حیثیت رکھتی ہے اس وجہ سے اس میں اس اجمال کی وضاحت کے لیے نہایت موزوں مقام تھا۔ ہم تکرارِ بحث سے بچنے کے لیے یہ مناسب خیال کرتے ہیں کہ اس اجمال کی وضاحت وہیں کی جائے۔ جب عدل، احسان، انفاق اور فحشا، منکر، بغی کے اہم اجزا بھی سامنے ہوں گے تو خیر و شر کے ان اصولوں کے سمجھنے میں بڑی آسانی ہوگی۔ وہیں انشاء اللہ ہم یہ بھی واضح کریں گے کہ اس تفصیل میں، اور تورات کے احکامِ عشرہ میں بڑی مطابقت ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ خیر و شر کے یہ اصول سابق ادیان میں بھی مسلم رہے ہیں۔

'عدل' کی توضیح — یہاں بالاجمال صرف یہ ذہن میں رکھیے کہ 'عدل' یہ ہے کہ جس کا جو حق واجب ہم پر عاید ہوتا ہے ہم بے کم و کاست اس کو ادا کریں، خواہ صاحبِ حق کمزور ہو یا طاقت ور اور خواہ وہ ہم کو مبغوض ہو یا محبوب۔

'احسان' کی توضیح — 'احسان' عدل سے ایک زائد شے ہے۔ یہ صرف حق کی ادائیگی ہی کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ مزید برآں یہ تقاضا بھی کرتا ہے کہ دوسرے کے ساتھ ہمارا معاملہ کریمانہ اور فیاضانہ ہو۔

'اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی' سے مراد — 'اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی' احسان کی ایک نہایت اہم فرع ہے۔ قرابت مند عدل و احسان کے حقدار تو ہیں ہی، مزید برآں وہ بربنائے قرابت مزید انفاق کے مستحق ہیں، ہر صاحبِ مال کو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں پر فیاضی سے خرچ کرنا چاہیے۔

'فحشاء' سے مراد — 'فحشاء' کھلی ہوئی بے حیائی اور بدکاری کو کہتے ہیں۔ مثلاً زنا اور لواطت اور اس قبیل کی دوسری برائیاں۔

'منکر' سے مراد — 'منکر' معروف کا ضد ہے۔ معروف ان اچھی باتوں کو کہتے ہیں جن کا ہر اچھی سوسائٹی میں چلن ہو۔ مثلاً مہمان داری، مسافر نوازی اور اس قبیل کی دوسری نیکیاں۔ منکر اس کا ضد ہے تو اس سے مراد وہ باتیں ہوں گی جو معروف اور عقل و عرف کے پسندیدہ طریقہ اور آداب کے خلاف ہوں۔

'بغی' سے مراد — 'بغی' کے معنی سرکشی اور تعدی کے ہیں یعنی آدمی اپنی قوت و طاقت اور اپنے زور و اثر سے ناجائز فائدہ اٹھائے اور اس سے دوسروں کو دبانے کی کوشش کرے۔

یہاں ان اجمالی اشارات پر قناعت کیجیے، آگے والی سورہ میں ان کی پوری تفصیل آئے گی۔

۱۶۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۹۱-۹۵

یہود کو ملامت — آگے کی آیات میں خطاب یہود سے ہے اور یہ خطاب بغیر نام لیے اچانک اس طرح سامنے آگیا ہے جس طرح خطیب بسا اوقات محض رخ کی تبدیلی سے روئے سخن کو بدل دیتا ہے۔ اگرچہ وہ نام نہیں لیتا کہ خطاب کن سے ہے لیکن اس کی باتیں خود مخاطب کو معین کر دیتی ہیں۔ یہود اس مرحلہ میں اسلام کے باب میں غیر جانبدار نہیں رہ گئے تھے بلکہ وہ اس سے خطرہ محسوس کر کے اس کی مخالفت کے لیے اندر اندر سازشوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ انھوں نے قریش کے ان لیڈروں کی پیٹھ ٹھونکنی شروع کر دی تھی جو اس دعوت سے روکنے کے لیے پورے

جوش وخروش سے میدان میں نکل آئے تھے۔ قرآن نے یہاں، یہود کی اسی حرکت پر ان کو ملامت کی ہے کہ تم اللہ سے عہد باندھنے کے بعد محض بربنائے حسد مخالفین کی صف میں جا کھڑے ہوئے ہو اور اس بڑھیا کے مانند جو اپنا کاتا بنا خود اپنے ہی ہاتھوں ادھیڑ کے رکھ دے، تم اللہ سے باندھے ہوئے عہد کے بخیے ادھیڑ رہے ہو۔ اللہ کے عہد کو متاع دنیا کے عوض نہ بیچو اور اپنی قسموں کو لوگوں کو حق سے برگشتہ کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ آیات کی تلاوت کیجیے۔

آیات ۹۱-۹۵

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ
تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا
تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ
اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ
اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً
وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ
بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا
عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾

ترجمۂ آیات ۹۱-۹۵

اور اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو، جب کہ تم وہ باندھ چکے ہو، پورا کرو اور قسموں کو ان کو موکد کرنے کے بعد مت توڑو درآنحالیکہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ ٹھہرا چکے ہو۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ اور اس عورت کے مانند نہ بن جاؤ جس نے اپنا سوت خوب مضبوط کاتنے کے

بعد تار تار ادھیڑ کے رکھ دیا۔ تم اپنی قسموں کو اس اندیشہ سے آپس کے فساد کا ذریعہ بناتے ہو کہ ایک امت دوسری امت سے کہیں بڑھ نہ جائے۔ اللہ اس کے ذریعہ سے تمھاری آزمائش کر رہا ہے اور وہ قیامت کے دن اس چیز کو اچھی طرح تم پر واضح کر دے گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہو۔ ۹۱-۹۲

اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کے باب میں ضرور تم سے پرسش ہونی ہے۔ ۹۳

اور تم اپنی قسموں کو آپس میں فریب کا ذریعہ نہ بناؤ کہ کوئی قدم جمنے کے بعد پھسل جائے اور تم اللہ کی راہ سے روکنے کی پاداش میں عذاب چکھو اور تمھارے واسطے ایک عذاب عظیم ہے اور اللہ کے عہد کو متاع قلیل کے عوض نہ بیچو۔ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ ۹۴-۹۵

۱۷- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (۹۱)

یہود کو ایفائے عہد کا حکم

اوپر آیت ۸۸ میں قریش کے ان اشرار کا ذکر گزر چکا ہے جو اللہ کے دین سے لوگوں کو روکنے کے لیے اپنا ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے تھے۔ اب اس ضمن میں نام لیے بغیر یہود کو مخاطب کر لیا ہے اس لیے کہ اس مرحلہ میں انھوں نے بھی اپنے تمام مکر و فریب کے ساتھ اللہ کی راہ سے روکنے کی اس مہم کی پشت پناہی شروع کر دی تھی۔ ان کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ اللہ سے جو عہد تم نے باندھا ہے اس کو پورا کرو اور اپنی قسموں کو مؤکد و موثق کرنے اور ان پر اللہ کو گواہ اور ضامن ٹھہرانے کے بعد نہ توڑو۔ یاد رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اور جو کچھ کرو گے اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شریعت کے ایک ایک حکم کو پوری جماعت کے سامنے پیش کرتے اور اللہ کو گواہ اور ضامن بنا کر لوگوں سے اس کی پابندی کا عہد لیتے اور لوگ قسم کھا کر اس کی پابندی کا عہد کرتے۔ اس طرح ان کی پوری شریعت کی حیثیت اللہ تعالیٰ اور بنی اسرائیل کے درمیان ایک عہد نامہ کی تھی۔ چنانچہ اسی بنا پر تورات کو عہد نامہ کہتے ہیں۔ یہ عہد نامہ جس طرح شریعت کے عام احکام و قوانین پر مشتمل ہے، اسی طرح اس میں وہ عہد بھی شامل ہے جو بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل میں پیدا ہونے والے نبی امی کی تائید و نصرت کا لیا گیا تھا اور آیت 'اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ الآیۃ' کے تحت ہم یہ اشارہ بھی کر چکے ہیں کہ جن اساسات پر قرآن کے اوامر و نواہی مبنی ہیں بعینہٖ انہی اساسات پر تورات کے احکام عشرہ مبنی ہیں۔ قرآن نے یہاں انہی عہود کو یاد دلایا ہے کہ خدا سے جو عہد تم باندھ چکے ہو اس کو پورا کرو اور پابندی عہد کی پکی قسمیں کھانے اور ان پر اللہ کو ضامن اور گواہ ٹھہرانے کے بعد ان کو نہ توڑو، یاد رکھو کہ آج جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے اور کل تمھیں اس عہد کی جواب دہی کرنی ہوگی۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا ۖ تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ
أَن تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنتُمْ
فِيهِ تَخْتَلِفُونَ (۹۲)

'انکاث' کا مفہوم

'انکاث' 'نکث' کی جمع ہے جس کے معنی ادھیڑی ہوئی رسی یا تار تار کیے کپڑے یا سوت کے ہیں۔

'دخل' کا مفہوم

'دَخَل' کے معنی مکر و فریب اور فساد کے ہیں۔

یہود کی مفسدانہ سرگرمیوں کی طرف اشارہ

ان یہود ہی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس عورت کے مانند نہ بن جاؤ جو اپنا کاتا ہوا سوت، اس کو اچھی طرح کاتنے اور مضبوط کرنے کے بعد، خود اپنے ہی ہاتھوں تار تار کر کے رکھ دے۔ یعنی پہلے تو تم نے عہد باندھا اور قسمیں کھا کھا کے اس کو خوب مؤکد و محکم کیا لیکن جب اس کو پورا کرنے کا وقت آیا تو اس عہد کے بخیے ادھیڑ کے رکھ دیے۔

'تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَکُمْ دَخَلًا بَیْنَکُمْ' یعنی تم اپنی قسموں کو افساد اور مکر و فریب اور اللہ کے بندوں کو اللہ کی راہ سے روکنے اور ان کے جمے ہوئے قدموں کو اکھاڑنے کا ذریعہ بناتے ہو۔ یہ یہود کی ان مفسدانہ کوششوں کی طرف اشارہ ہے جو وہ اسلام کی طرف مائل لوگوں کو اسلام سے روکنے یا اسلام قبول کر لینے والوں کو متزلزل کرنے کے لیے صرف کر رہے تھے۔ یہ قسمیں کھا کھا کر لوگوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے کہ یہ نیا دین سر تا سر خدائی دین کے خلاف ہے۔ ہمارے صحیفوں میں نہ اس کی کوئی سند موجود ہے اور نہ ہمارے نبیوں نے اس کی طرف کوئی اشارہ کیا ہے۔ یہود کو چونکہ فی الجملہ مذہبی تقدس کی سند حاصل تھی اس وجہ سے ان کی یہ قسمیں ان لوگوں کے دلوں میں اضطراب پیدا کرتی تھیں جو ان کی چالوں اور ان کے مخفی محرکات سے اچھی طرح واقف نہیں تھے۔

'اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ'۔ 'اَنْ' سے پہلے 'مَخَافَةَ' یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ اکثر محذوف ہو جایا کرتا ہے۔

یہود کی سرگرمیوں کا اصل محرک

یہ یہود کی ان تمام مفسدانہ سرگرمیوں کے اصل محرک سے پردہ اٹھایا ہے کہ تمھاری یہ ساری تگ و دو اس حاسدانہ اندیشہ کی بنا پر ہے کہ تم ڈرتے ہو کہ کہیں یہ نئی قائم ہونے والی امت تمھاری امت سے عدد اور قوت میں بڑھ نہ جائے۔ اس خوف نے تمھیں حق کا حامی و ناصر ہونے کے بجائے اس کا دشمن بنا کر کھڑا کر دیا ہے اس طرح خدا تمھاری آزمائش کر رہا ہے اور دیکھ رہا ہے کہ تم حق کے حامی بنتے ہو یا اپنے تعصبات ہی کے جال میں پھنس کر رہ جاتے ہو۔ یہ یاد رکھو کہ جن چیزوں کو آج تم بنائے اختلاف بنائے ہوئے ہو قیامت کے دن اللہ ان کو اچھی طرح واضح کر دے گا کہ حق کیا تھا اور تم نے کس طرح دیدہ دانستہ اس پر پردے ڈالنے کی کوشش کی۔

یہود کی مثال بڑھیا سے

'اَلَّذِیْ' اور 'اَلَّتِیْ' اگرچہ معرفہ کے لیے آتے ہیں لیکن تمثیلات میں معرفہ لانے سے مقصود بسا اوقات صرف صورتِ حال کو نگاہوں کے سامنے مصور کرنا ہوتا ہے اس وجہ سے یہاں کسی متعین بڑھیا کو مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک ایسی بڑھیا کو فرض کر لینا کافی ہے جس سے چشمِ تصور کے سامنے واقعہ کی پوری تصویر آ جائے۔

جس طرح یہاں یہود کی مثال ایک بڑھیا سے دی ہے اسی طرح ان کی مثال اعراف ۱۷۵-۱۷۶ میں ایک ایسے شخص سے دی ہے جس کو اللہ نے اپنی آیات و تعلیمات سے نوازا لیکن وہ ان سے نکل بھاگا، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شیطان کے ہتھے چڑھ گیا اور گمراہ ہو کے رہ گیا۔ اس کے بعد ان کی تمثیل کتے سے دی ہے جو ہر وقت اپنی زبان نکالے رکھتا ہے، نہ ڈانٹا جائے جب بھی زبان نکالے رکھتا ہے اور ڈانٹا جائے جب بھی زبان نکالے رکھتا ہے۔ اس تمثیل میں بھی 'اَلَّذِیْ' استعمال ہوا ہے لیکن ہم نے اس کے محل میں واضح کیا ہے کہ اس سے مقصود محض تصویرِ حال ہے نہ کہ کسی متعین شخص کی طرف اشارہ۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ
وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۹۳)

یعنی اگر اللہ اپنے جبر و زور سے کام لینا چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس نے جبر کے بجائے تمھیں اختیار بخشا ہے اور اس طرح تمھارا امتحان کرنا چاہتا ہے کہ تم اپنی سمجھ بوجھ اور اپنے اختیار و ارادہ سے کام لے کر ہدایت کی راہ اختیار کرتے ہو یا ضلالت کی، تو تم میں سے جو ہدایت کے طالب بنتے ہیں ان کو ہدایت کی توفیق بخشتا ہے اور جو ضلالت ہی پر جمے رہنا چاہتے ہیں ان کو اسی پر چھوڑ دیتا ہے۔ ہم یہ حقیقت جگہ جگہ واضح کر چکے ہیں کہ خدا کی مشیت اس کی حکمت کے تحت ہے۔

'وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ' یعنی اس بات کو یاد رکھو کہ اس نے تمھیں ہدایت و ضلالت میں امتیاز کرنے کے لیے عقل بھی عطا فرمائی ہے، پھر اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ سے بھی تم پر حجت تمام کر دی ہے اس وجہ

ے ایک دن آنے گا جب تم پر سے ایک ایک سے جو کچھ تم کرتے رہے اس کی بابت پرسش ہونی ہے اور پھر تم اپنے اعمال ہی کے مطابق جزا و سزا پاؤ گے۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۹۴)

یہود کا ذریعۂ اِفساد قسمیں تھیں

یہود لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لیے سب سے زیادہ جس ہتھیار سے کام لیتے تھے وہ ان کی قسمیں تھیں۔ جھوٹے لوگ، اول تو اپنی نفسیاتی کمزوری کے سبب سے قسمیں کھاتے ہی زیادہ ہیں، پھر ان کے پاس دلیل کون سی تھی جس کو وہ اسلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پیش کر سکتے۔ لے دے کے قسموں ہی کا سہارا تھا۔ وہ انہی کے بل پر کوشش کرتے کہ جن لوگوں کے قدم اسلام میں جم چکے ہیں ان کو متزلزل کر دیں اور جو لوگ اس کی طرف مائل ہو رہے ہیں ان کو اس کی طرف بڑھنے سے روک دیں۔ یہ لوگ چونکہ سابق مذہب اور سابق انبیاء کے وارث ہونے کے بھی مدعی تھے اس وجہ سے اپنی مذہبی تقدس کے پردے میں وہ لوگوں کو قسمیں کھا کھا کے یقین دلانے کی کوشش کرتے کہ اس نئے مذہب اور نئے پیغمبر کو سابق مذاہب اور سابق انبیاء سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ پیغمبر سابق مذاہب اور انبیاء کا جو حوالہ دیتے ہیں نعوذ باللہ اس میں وہ جھوٹے ہیں۔

'وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ' 'سُوْٓء' کے معنی بدی اور برائی کے ہیں۔ یہاں 'سُوْٓء' سے مراد نتیجہ سوء اور انجام سوء یعنی عذاب ہے، چونکہ عذاب الٰہی لوگوں کے اپنے اعمال ہی کا ثمرہ اور نتیجہ ہوگا اس وجہ سے یہاں فعل ہی سے نتیجہ فعل کو ظاہر کر دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ کرو کہ تمہاری فریب کارانہ قسموں سے کسی کے حق پر جمے ہوئے قدم اکھڑ جائیں اور تمہیں اللہ کی راہ سے روکنے کے اس جرم کی پاداش میں اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے۔ اگر ایسا ہوا تو تمہارے لیے ایک عذاب عظیم ہے۔ تم حق کے گواہ بنا کر کھڑے کیے گئے ہو۔ اگر تمہی نے حق سے لوگوں کو روکنے کی کوشش کی تو سزا بھی اس کی بہت ہی سخت بھگتو گے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۹۵)

'اشترا' بمعنی ترجیح و مبادلہ

لفظ 'اشترا' پر سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بھی بحث کر چکے ہیں اور آل عمران کی آیت ۷۷ کے تحت بھی۔ جب مبادلہ چیز کا چیز سے ہو، جیسا کہ عموماً زمانۂ قدیم میں رواج رہا ہے تو ہر شے مبیع بھی ہو سکتی ہے اور ثمن بھی۔ اس وجہ سے کسی شے کا اشترا اس مفہوم میں خریدنا نہیں ہوتا جس مفہوم میں ہم خریدنا بولتے ہیں بلکہ اس کا مفہوم مبادلہ ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے لفظ 'اشترا' مبادلہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور پھر اس مفہوم سے ترقی کر کے ترجیح دینے کے معنی میں بھی۔

'ثمن قلیل' سے مراد دنیا اور متاع دنیا

'ثمن قلیل' سے مراد دنیا اور متاع دنیا ہے اور 'مَا عِنْدَ اللّٰهِ' سے مراد اجر آخرت ہے۔ اجر آخرت کے مقابل میں خواہ دنیا اور متاع دنیا کی کتنی ہی بڑی مقدار حاصل ہو جائے وہ بہر حال ناچیز اور حقیر ہی ہے اس لیے

کہ وہ چند روزہ اور فانی ہے اور اجر آخرت ابدی اور لازوال ہے۔ فرمایا کہ عہد الٰہی کو حقیر منفعت دنیوی کے عوض نہ فروخت کرو۔ عہد الٰہی پر قائم رہنے کا اللہ کے ہاں جو صلہ ہے اس دنیا کی منفعتوں سے بدرجہا بڑھ کر ہے اگر تم اس حقیقت کو سمجھو۔

۱۰-۱۸ آگے کا مضمون ـــــ آیات ۹۶-۱۰۵

مخالفین کے بعض اعتراضات کے جواب

آگے پہلے تو مخالفین حق کو دھمکی اور ان مسلمانوں کو جو حق کے مخالفین کے نرغہ میں تھے صبر و استقامت کی نصیحت اور اس کے اچھے انجام کی بشارت ہے۔ پھر قرآن کی دعوت کے سلسلہ میں جو چیز شیاطین کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھنے والی ہے اس کی ہدایت اور بعض ان اعتراضات کا جواب ہے جو یہود نے لوگوں کو قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے بدظن کرنے کے لیے پھیلائے تھے اور جن کو قریش نے بھی بے سمجھے بوجھے دہرانا شروع کر دیا تھا۔ آیات کی تلاوت کیجیے۔

آیات ۹۶-۱۰۵

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا
اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ
ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ
اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٩٨﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ
عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٩٩﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ
يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ع وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ ع ۱۳ ۱۱ ۱۹
اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٠٢﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ
يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّ

هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا
يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٠٤﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٥﴾

ترجمۂ آیات ۹۶-۱۰۵

جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور جو لوگ ثابت قدم رہیں گے ہم ان کو جو کچھ وہ کرتے رہے اس کا بہترین اجر دیں گے۔ جو کوئی نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، وہ ایمان پر ہے، تو ہم اس کو ایک پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور ہم ان کو جو کچھ وہ کرتے رہے اس کا بہتر صلہ دیں گے۔ ۹۶-۹۷

پس جب تم قرآن پڑھو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ اس کا ان لوگوں پر کچھ بھی زور نہیں چلتا ہے جو ایمان لائے ہوئے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں، اس کا زور بس انہی پر چلتا ہے جو اسے دوست رکھتے ہیں اور جو اللہ کے شریک ٹھہرانے والے ہیں۔ ۹۸-۱۰۰

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بھیجتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ اتارتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ تم تو اپنے جی سے گھڑ لینے والے ہو۔ بلکہ ان میں کے اکثر علم نہیں رکھتے ہیں۔ کہہ دو اس کو روح القدس نے تمھارے رب کی جانب سے حق کے ساتھ اتارا ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو جمائے رکھے جو ایمان لائے ہیں اور یہ ہدایت و بشارت ہو خدا کے فرمانبرداروں کے لیے۔ ۱۰۱-۱۰۲

اور ہمیں اچھی طرح علم ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کو تو ایک انسان سکھاتا ہے۔ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ فصیح عربی زبان ہے۔ بے شک جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے ہیں اللہ ان کو راہ یاب نہیں کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ جھوٹ تو بس وہی لوگ گھڑ رہے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لا رہے ہیں اور

یہی لوگ جھوٹے ہیں ۔ ۱۰۲ - ۱۰۵

۱۹- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ط وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۹۶)

مخالفین کے لیے تنبیہ
اہل ایمان کے لیے بشارت

اس آیت کا پہلا ٹکڑا مخالفین کے لیے تنبیہ اور دوسرا ٹکڑا اہل ایمان کے لیے بشارت ہے جو اس وقت معاندین کے نرغے میں طرح طرح کے روحانی وجسمانی مصائب کے ہدف بنے ہوئے تھے۔ مخالفین کو خطاب کرکے فرمایا کہ جس متاع دنیا کی محبت میں تم حق کی یہ مخالفت کر رہے ہو یہ ایک دن ختم ہو جانے والی ہے' باقی رہ جانے والی چیز وہ اجر ہے جو اس دنیا میں کیے ہوئے اعمال کے بدلہ میں ملنے والا ہے۔ تو یہ سن لو کہ یہ اجر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو آج ہماری راہ میں مصائب جھیل رہے ہیں اور حق پر ثابت قدم ہیں۔ ان کا یہ اجر ان کے اعمال کی نسبت سے کہیں بہتر ہوگا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۹۷)

یہ اسی بشارت کی تفصیل ہے، فرمایا کہ جو کوئی نیک عمل کرے گا، عام اس سے کہ وہ مرد ہے یا عورت، اگر وہ ایمان پر قائم ہے تو ہم اس کو اچھی اور پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور جو کچھ وہ کرتے رہے اس کا بہترین صلہ دیں گے۔

اچھی اور پاکیزہ زندگی بسر کرانے کا یہ وعدہ دین اور دنیا دونوں اعتبار سے ہے۔ جو لوگ ایمان پر قائم رہنے اور عمل صالح کی زندگی بسر کرنے کا عزم کر لیتے ہیں ان کو آزمائشیں تو پیش آتی ہیں، شیاطین جن وانس ان کو ستانے اور الجھنوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کو اس کے لیے ڈھیل بھی ملتی ہے لیکن اس ڈھیل کی ایک معین حد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے بندوں کے صبر اور ان کی استقامت کا امتحان کرتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ اس امتحان کی حد کیا ہونی چاہیے، چنانچہ جوں ہی وہ حد پوری ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ شیاطین جن و انس کو اس سے آگے بڑھنے کا موقع نہیں دیتا۔ اہل ایمان ان امتحانات سے گزرنے کے بعد اپنے ایمان میں قوی سے قوی تر ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگی کی پاکیزگی اور ان کی طمانیت وسکینت میں روز افزوں اضافہ ہوتا ہے اور اگر اس راہ میں انھیں موت بھی پیش آتی ہے تو وہ اس کا بھی خندہ جبینی سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ اہل ایمان کی اس روحانی بادشاہی کا اندازہ وہ لوگ نہیں کر سکتے جو ایمان کی قوت اور اس کی حلاوت سے

ناآشنا ہیں۔

آیت میں یہ وعدہ تصریح کے ساتھ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے مذکور ہے۔ بظاہر اس تصریح کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس کا ایک خاص محل ہے۔ وہ یہ کہ اس دور میں جس طرح مسلمان مرد اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے نہایت کڑے امتحانات سے گزر رہے تھے اسی طرح بہت سی خواتین بھی اپنا ایمان بچائے رکھنے کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے تھیں اور ان کا امتحان کمزور عنصر ہونے کے سبب سے مردوں کے امتحان سے بھی زیادہ سخت تھا۔ یہاں قرآن نے مردوں کے ساتھ خاص طور پر عورتوں کی تصریح کر کے ان کی دلداری اور حوصلہ افزائی کردی کہ اگر انھوں نے ایمان اور عمل صالح کی زندگی بسر کرنے کا عزم کرلیا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو ضرور پاکیزہ زندگی بسر کرائے گا۔ شیاطین اس نعمت سے ان کو محروم نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالیٰ اس کا موقع ان کو نہیں دے گا۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (۹۸)

شیطانی فتنوں سے پناہ مانگنے کی ہدایت

لفظ 'قَرَاْتَ' یہاں عام ہے۔ یعنی خواہ یہ پڑھنا اپنی تلاوت کے طور پر ہو یا لوگوں کو دعوت دینے اور انھیں قرآن سنانے کے لیے، دونوں ہی حالتوں میں اس کے پڑھنے سے پہلے شیطانِ رجیم سے اللہ کی پناہ مانگ لی جائے۔

یہ آیت تمہید ہے ان اعتراضات کے جواب کی جو یہود نے قرآن کے خلاف اٹھائے تھے اور جن کے اٹھانے سے ان کا مقصد قرآن پر ایمان لانے والوں یا اس کی طرف مائل لوگوں کو اس سے بدظن اور برگشتہ کرنا تھا۔ قرآن نے آگے آیات ۱۰۱-۱۰۳ میں ان اعتراضات کے جواب دیے ہیں اور اس جواب سے پہلے بطور تمہید یہ ہدایت فرمائی ہے کہ جب تم قرآن کو پڑھو یا دعوتِ حق کے لیے اس کو سناؤ تو اس سے پہلے شیطان رجیم کے فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ یہ ہدایت اس لیے ہوئی کہ درحقیقت اصل دشمن قرآن کا شیطان ہی ہے۔ جب قرآن پڑھا یا سنایا جاتا ہے تو وہ اس کے خلاف وسوسہ اندازی کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے پڑھنے والوں اور سننے والوں کے دلوں میں وہ خود بھی وسوسے بھرنے کی کوشش کرتا ہے اور ان لوگوں کو بھی اللہ کی راہ سے روکنے کی اس مہم میں اپنا شریک کار بنا لیتا ہے جو انسانوں میں سے اس کے اولیاء اور دوست کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ تعوذ گویا ایک تعویذ ہے جو اس قسم کے تمام اشرار و شیاطین کے فتنوں اور ان کی وسوسہ اندازیوں سے آدمی کو محفوظ رکھتا ہے۔

اس کی تاثیر آدمی کے دل کی حالت پر منحصر ہے۔ اگر آدمی محض زبان سے تعوذ کے الفاظ دہراتا ہے تو اس کا کوئی خاص اثر نہیں پڑتا لیکن جن کے دل کی گہرائیوں سے یہ دعا نکلتی ہے وہ اس سے ایک ایسی قوت و طاقت حاصل کرتے ہیں جو شیطان اور اس کے اولیاء سے نبرد آزمائی میں بڑا سہارا بنتی ہے۔ یہ نبرد آزمائی اس امتحان کے مقتضیات میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسانوں کے لیے مقرر کر رکھا ہے اس وجہ سے اس سے کسی حالت میں مفر نہیں ہے۔ اسی سے آدمی کی اپنی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔ تعوذ کی یہ برکت

ہے کہ اگر آدمی کو اس کا سہارا حاصل ہو تو وہ شیطان اور اس کے ایجنٹوں سے شکست نہیں کھاتا۔

اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ
یَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ (۹۹-۱۰۰)

'سُلْطَان' کے معنی غلبہ، زور اور اختیار کے ہیں۔

اہل ایمان پر شیطان کا کوئی زور نہیں چلتا

یہ اوپر والے مضمون ہی کی مزید وضاحت ہے کہ شیطان اور اس کے ایجنٹوں کو یہ مہلت، تو ضرور ملی ہوئی ہے کہ وہ لوگوں کو بہکائیں اور ورغلائیں لیکن ان کو لوگوں پر زور و اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ لازماً ان کو گمراہ ہی کر دیں۔ شیطان کا زور صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو اپنا دوست بناتے اور اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں، ان لوگوں پر اس کا کوئی زور نہیں چلتا جو ایمان لائے ہوئے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس آیت نے گویا اطمینان دلا دیا کہ شیطان کے فتنے خواہ کتنے ہی خطرناک ہوں لیکن جو شخص ان سے محفوظ رہنا چاہے وہ اپنے آپ کو ان سے محفوظ رکھ سکتا ہے اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ خدا پر مضبوط ایمان رکھے اور سخت سے سخت حالات میں بھی اس کے فضل اور اس کی کارسازی پر بھروسہ کرے۔ شیطان سے مار وہی کھاتا ہے جو اس کی طرف دوستی کی پینگیں بڑھاتا ہے اور جس کے اندر شرک کی کچھ آلائش ہوتی ہے۔

وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (۱۰۱)

'آیت' سے مراد کوئی حکم شرعی ہے۔

'آیت' سے مراد احکام شریعت کی تبدیلی پر یہود کا اعتراض

یہ ایک مثال ہے ان اعتراضات کی جو یہود لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کے لیے قرآن کے خلاف اٹھاتے تھے۔ فرمایا کہ جب ہم ایک حکم کو دوسرے حکم سے بدلتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ تم تو نرے مفتری ہو، اپنے جی سے ایک بات گھڑتے ہو اور لوگوں پر دھونس جمانے کے لیے اس کو خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہو، ورنہ اس کے کیا معنی کہ خدا ایک مرتبہ ایک قانون بنائے اور پھر اس قانون کو خود ہی دوسرے قانون سے بدل دے۔

یہ اشارہ ہے تحریم و تحلیل اور یوم السبت کے باب میں ان احکام کی طرف جن کا حوالہ آگے اسی سورہ کی آیات ۱۱۴-۱۱۶ اور ۱۲۴ میں آیا ہے۔ قرآن نے جب اس امت کے لیے یوم السبت کی حرمت ختم کر دی اور کھانے پینے کے باب میں وہ احکام دیے جو ملت یہود یا ملت مشرکین کے بجائے ملت ابراہیم پر مبنی تھے تو یہود نے شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ دیکھو، یہ شخص ایک طرف تو ہماری شریعت کو خدائی شریعت مانتا ہے دوسری طرف اس کے احکام کو ان سے مختلف احکام سے بدلتا ہے۔ اگر یہ شخص خدا کا رسول ہوتا تو وہ خدا کے دیے ہوئے احکام کو کس طرح بدل سکتا۔ اس وجہ سے ہمارے نزدیک یہ خدا کا رسول نہیں بلکہ (نعوذ باللہ) ایک مفتری ہے۔ یہ بات کہی تو یہود نے لیکن بے سمجھے بوجھے قریش کے ان لیڈروں نے بھی دہرانی شروع کر دی، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کہی ہوئی ہر بات کو اپنی تائید سمجھتے تھے۔

'وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ' یہ قرآن نے مذکورہ بالا اعتراض کا جواب دیا ہے کہ اپنی اتاری ہوئی چیزوں کی حکمت و مصلحت کو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ 'بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ' اکثر لوگ ان حکمتوں اور مصلحتوں کو نہیں جانتے۔

یہاں یہ بات اجمال کے ساتھ ارشاد ہوئی ہے۔ آگے کی آیات میں اس اجمال کی تفصیل آئے گی۔ ہم یہاں چند اشارات صرف اس لیے کیے دیتے ہیں کہ آگے نظم کلام کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ قرآن کا یہ جواب مندرجہ ذیل دو مبادی پر مبنی ہے۔

شریعت میں تدریج کی مصلحت

اول یہ کہ خدا نے اپنی شریعت کے نازل کرنے میں ترتیب و تدریج ملحوظ رکھی ہے تاکہ ایمان لانے والوں کے قدم شریعت میں خوب جم سکیں۔ یہ ترتیب و تدریج بعض حالات میں احکام میں تبدیلی کی مقتضی ہوتی ہے جو سر تا سر اہل ایمان کی مصلحت پر مبنی ہے۔

دوسرا یہ کہ اس ملت کی بنیاد ملت ابراہیمؑ پر ہے اور ملت ابراہیمؑ ملت یہود اور ملت مشرکین سے بالکل الگ ملت تھی۔ اس میں حرام وہی چیزیں ہیں جو ملت ابراہیمؑ میں حرام تھیں۔ یہی چیزیں اصلاً ملت یہود میں بھی حرام تھیں لیکن بعد میں انھوں نے اپنی بدعات کے ذریعہ سے ان میں اضافے کر لیے جو اللہ نے ان کی سزا کے طور پر ان پر باقی رکھے لیکن اس ملت کی اساس چونکہ ملت ابراہیم پر ہے اس وجہ سے اس میں وہ اضافے ختم کر دیے گئے۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (١٠٢)

'روح القدس' سے مراد

'رُوْحُ الْقُدُسِ' سے مراد جبرائیل امین ہیں اور 'حق' سے مراد وہ خالص اور بے آمیز دین ہے جو اللہ کی طرف سے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی تمام ملاوٹوں سے پاک و صاف ہو کر اترا ہے۔

قرآن کو وحی الٰہی ماننے سے یہود کا انکار

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہوئی کہ جو لوگ تمھیں مفتری کہتے ہیں ان کو جواب دے دو کہ یہ جو کچھ میں پیش کر رہا ہوں اس کو اپنے جی سے گھڑ کر خدا کی طرف منسوب نہیں کر رہا ہوں بلکہ یہ خدا کے مقرب فرشتے جبریل امین نے میرے رب کی جانب سے مجھ پر اتارا ہے اور یہ سراسر حق ہے، شیاطین و مفسدین کی ہر ملاوٹ سے بالکل پاک و صاف۔

'لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا' یعنی اللہ نے دین کو تمام ملاوٹوں سے پاک کر کے اس لیے اتارا ہے تاکہ وہ ایمان لانے والوں کو حق پر جما دے اور وہ لغزشوں اور گمراہیوں سے بالکل محفوظ ہو جائیں۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اگر دین کے بعض اجزا میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے تو وہ، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، تدریج کی مصلحت سے واقع ہوئی ہے اور مقصود اس سے لوگوں کو دین میں راسخ کرنا تھا۔ اگر سارا دین بیک دفعہ نازل کر دیا جاتا تو یہ لوگوں پر بہت شاق ہوتا اور ان کے قدم دین میں خوب مضبوط نہ جم سکتے۔

'وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ' یعنی مخالفین اس سے جو فتنے چاہیں اٹھائیں لیکن جو لوگ خدا کی ہدایت پر 'اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا' کہنے کو تیار ہیں ان کے لیے تو یہ آغاز کے لحاظ سے ہدایت اور انجام کے اعتبار سے بشارت ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ (۱۰۳)

مخالفین کے ایک اور فتنہ کا رد

'وَلَقَدْ نَعْلَمُ' دراصل 'وَلَقَدْ كُنَّا نَعْلَمُ' ہے یعنی بعض اوقات مضارع سے پہلے افعال ناقصہ کو حذف کر دیتے ہیں۔ اس اسلوب پر پیچھے سورۂ بقرہ وغیرہ میں تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔

یہ مخالفین کے ایک دوسرے فتنے کا حوالہ دیا ہے جو وہ لوگوں کو قرآن سے بدگمان کرنے کے لیے اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اس کلام کو وحی الٰہی اور فرشتہ کا لایا ہوا کہنا تو محض ایک ڈھونگ ہے۔ یہ تو فلاں شخص ان کو سکھاتا ہے اور یہ حضرت اس کو سنا کر ہم پر رعب جماتے ہیں کہ اس کو خدا نے جبریل امین کے ذریعہ سے ان پر اتارا ہے۔ یہاں کسی متعین شخص کا نام مذکور نہیں، صرف اس کے عجمی ہونے کی تصریح ہے۔ مفسرین نے یہاں ایک سے زیادہ ناموں کا ذکر کیا ہے جن میں ایک نام سلمان فارسیؓ کا بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مخالفین انہی کی طرف اشارہ کرتے رہے ہوں۔ قرآن کو ان کے نام سے بحث نہیں، صرف اعتراض سے بحث ہے اور اسی کا اس نے جواب دیا ہے۔ جواب کی تمہید ہی اس طرح اٹھائی گئی ہے جس سے اس اعتراض کی لغویت واضح ہو رہی ہے اس لیے کہ 'وَلَقَدْ نَعْلَمُ' کے اسلوب ہی میں یہ بات مضمر ہے کہ ہم برابر معترضین کی یہ بکواس سنتے رہے ہیں لیکن اس کی لغویت کے سبب سے ہم نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر ان بوالفضولوں کو قرآن کے معانی و حقائق کی پرکھ نہیں ہے تو کم از کم اس کے بیان کی سطوت و جلالت اور اس کی زبان کی بے مثال فصاحت پر ہی غور کرتے تو ان پر اپنے اس اعتراض کی لغویت واضح ہو جاتی کہ کہاں ایک کج مج بیان عجمی اور کہاں یہ حوضِ کوثر کی دھلی ہوئی عربی مبین۔ آخر ایسا کودن کون ہو سکتا ہے جو منہ کے اڑائے چھینٹوں اور آسمان کی بارش میں امتیاز نہ کر سکے۔

یہ بات علی سبیل التنزل فرمائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کے معانی و حقائق تک تو ان لوگوں سے پہنچنے کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی جن کو گہر اور پشیز میں امتیاز نہیں ہے لیکن ان کو اپنی طلاقتِ لسانی پر بڑا ناز ہے تو کم از کم اس کی زبان ہی پر غور کرتے کہ ایک عجمی تو درکنار خود ان کے کسی شاعر یا خطیب کے بس میں بھی یہ نہیں ہے کہ اس طرح کا کلام پیش کر سکے۔ یہاں تک کہ خود پیغمبر کے اپنے کلام اور اس کلام میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۱۰۴)

یعنی ایمان و ہدایت کا راستہ صرف یہ ہے کہ اللہ کی آیات پر ایمان لایا جائے اس لیے کہ ہدایت وہی ہے جو اللہ کی طرف سے آئے تو جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہیں ان کو اللہ کی ہدایت

نصیب نہیں ہو سکتی۔ انھوں نے اپنے اوپر ہدایت کے دروازے بند کر لیے اور ان کے لیے آگے بس ایک دردناک عذاب ہی ہے۔

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ (۱۰۵)

پیغمبرؐ کو مفتری سمجھنے والوں کی لغویت

اوپر آیت ۱۰۱ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ لوگ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک مفتری قرار دیتے ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مفتری ہمارا پیغمبر نہیں ہے بلکہ مفتری وہ لوگ ہیں جو اللہ کی آیات پر جو ایمان نہیں لاتے جو اللہ کی ہدایت معلوم کرنے کا واحد ذریعہ ہیں لیکن ایک دین انھوں نے تصنیف کر رکھا ہے اور اس کو اللہ کا دین بتاتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ بالکل جھوٹا افترا ہے اور اس کے تصنیف کرنے والے ہی اصل جھوٹے ہیں۔

۲۰۔ آگے کا مضمون —— آیات ۱۰۶-۱۱۱

مظلوم مسلمانوں کو صبر و استقامت کی تلقین

آگے ان مسلمانوں کی طرف توجہ فرمائی ہے جو اعدائے حق کے جور و ستم کے ہدف بنے ہوئے تھے۔ ان کو خطاب کر کے صبر و استقامت کی تلقین فرمائی اور ساتھ ہی ان لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا ہے جو مخالفین سے مرعوب ہو کر اللہ کے دین سے برگشتہ ہو جائیں گے۔ اسی سلسلہ میں ان مسلمانوں کی طرف بھی ایک اشارہ ہے جنھیں اعدائے حق کے مظالم سے تنگ آکر ہجرت کرنی پڑی۔ ان کی تحسین فرمائی گئی ہے اور ان کے لیے مغفرت اور رضوان کی بشارت ہے۔ آیات کی تلاوت کیجیے۔

آیات ۱۰۶-۱۱۱

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ
بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ
مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۱۰۶) ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ
الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (۱۰۷) أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْغَافِلُونَ (۱۰۸) لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ (۱۰۹) ثُمَّ
إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَ
ع ۱۴/۲۰ صَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ (۱۱۰) يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ

نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

ترجمۂ آیات ۱۰۶-۱۱۱

جو اپنے ایمان لانے کے بعد اللہ کا کفر کرے گا بجز اس کے جس پر جبر کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو، لیکن جو کفر کے لیے سینہ کھول دے گا تو ان پر اللہ کا غضب اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور اللہ کفر اختیار کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں اور جن کے سمع و بصر پر اللہ نے مہر کر دی اور یہی لوگ ہیں جو آخرت سے غافل ہیں۔ لازماً یہی لوگ ہیں جو آخرت میں خائب و خاسر رہیں گے۔ ۱۰۶-۱۰۹

پھر تیرا رب ان لوگوں کے لیے جنھوں نے آزمائشوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور ثابت قدمی دکھائی تو ان باتوں کے بعد بے شک تیرا رب بڑا ہی بخشنے والا اور رحمت والا ہے۔ اس دن جس دن ہر جان اپنی ہی مدافعت کرتی ہوئی حاضر ہوگی اور ہر جان کو وہی پورا پورا بدلہ ملے گا جو اس نے کیا ہوگا اور ان کے ساتھ ذرا بھی ناانصافی نہیں کی جائے گی۔ ۱۱۰-۱۱۱

۲۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۱۰۶)

زیر ستم مسلمانوں کو آگاہی

یہ ان لوگوں کو آگاہی ہے جو اس دور میں کفار کی ستم رانیوں کے ہدف تھے۔ فرمایا کہ جو لوگ اعدائے حق کے شکنجہ میں ہیں ان کے لیے اس بات کی تو گنجائش ہے کہ وہ قلباً ایمان پر جمے رہتے ہوئے محض زبان سے کوئی کلمہ ایسا نکال دیں جس سے ان کی جان کے اس مصیبت سے چھوٹ جانے کی توقع ہو، لیکن اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ اس جبر و ظلم کو بہانہ بنا کر اپنا سینہ کفر ہی کے لیے کھول دیں۔ جو لوگ ایسا کریں گے فرمایا کہ ان پر

اللہ کا غضب اور بہت بڑا عذاب ہے۔ ان کا ایک مرتبہ ایمان کی طرف آجانا اس بات کی نہایت واضح دلیل ہے کہ اس چیز کی صحت و صداقت ان پر واضح ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اس بات کی تو گنجائش باقی رہتی ہے کہ آدمی اسی کے تحفظ کے پہلو سے کوئی ایسی تدبیر اختیار کرے جو بظاہر اس کے خلاف ہو لیکن اس بات کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ آدمی اس سے کلیۃً دستبردار ہو کر کفر ہی کو اوڑھنا بچھونا بنا لے۔ فرمایا کہ جو لوگ تن آسانی کی یہ راہ اختیار کریں گے ان پر خدا کا غضب اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (۱۰۷)

ہدایت و ضلالت کے باب میں سنتِ الٰہی

یہ وجہ بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ کیوں ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے، فرمایا کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اپنی دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی ہے اور خدا کی پکڑ سے بے پروا ہو کر اپنے آپ کو کفر کے حوالے کر دیا۔ اللہ ان لوگوں کے لیے تو اپنی ہدایت کی راہ کھولتا ہے جو ہر حال میں اس کی ہدایت ہی کو اپنا نصب العین بناتے ہیں لیکن ان لوگوں کو راہ یاب نہیں کرتا جو مشکلات سے گھبرا کر کفر ہی کو اپنا ملجا و ماویٰ بنا لیتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (۱۰۸)

فرمایا کہ ایسے لوگ جو ایمان کی روشنی ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد محض اپنے دنیوی مفادات کی خاطر اس سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں، ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں پر مہر کر دیا کرتا ہے اور وہ ہدایت کی توفیق سے بالکل ہی محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ نہ خود اصل حقیقت پر غور کرتے، نہ کسی دوسرے معقول آدمی کی بات سنتے اور نہ بصیرت حاصل کرنے کے لیے اپنی آنکھیں کھولتے۔ یہ ہدایت و ضلالت کے باب میں اس سنتِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جس کی وضاحت بقرہ کی آیت ۷ کے تحت ہو چکی ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ، یعنی اصل بے خبر یہی لوگ ہیں اس لیے کہ ان کے دل اور ان کے کان آنکھ سب چپاٹ ہو چکے ہیں۔ کسی طرف سے بھی کوئی بصیرت کی کرن ان کے اندر داخل ہونے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۱۰۹)

'لَا جَرَمَ' کے معنی لابد اور لامحالہ کے ہیں۔ اصلاً تو یہ کسی بات کی تاکید کے لیے آتا ہے لیکن موقع مقتضی ہو تو اس کے اندر قسم کا زور بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

اوپر جو کچھ بیان ہوا ہے یہ اس کا لازمی نتیجہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اپنی دنیا کی خاطر اس طرح آخرت سے بے پروا ہو جائیں گے آخرت میں سب سے زیادہ محروم و نامراد وہی ہوں گے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۱۰)

ہجرت حبشہ کے جانبازوں کے لیے بشارت

بزدلوں اور پست ہمتوں کا انجام بیان کرنے کے بعد اب یہ ان جانبازوں اور سرفروشوں کا ذکر ہے جنھوں نے اپنے دین کی خاطر کفار کے ہاتھوں ہر قسم کے مصائب جھیلے لیکن وہ اس سے دست بردار ہونے پر تیار نہ ہوئے

ہجرت سے یہاں اشارہ ہجرت حبشہ کی طرف ہے اور جہاد و صبر سے یہاں ان کی وہ جاں بازیاں مراد ہیں جو دین پر استقامت کے معاملے میں انھوں نے دکھائیں۔ فرمایا کہ جن لوگوں نے ان جاں گسل مصائب کا مقابلہ کر کے اپنے ایمان کی حفاظت کی ہے، خدا ان کی لغزشوں اور فروگزاشتوں سے درگزر فرمائے گا اور ان کو اپنی رحمت سے نوازے گا۔

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١١١﴾

آخرت کی یاددہانی

یہ اس دن کی یاددہانی ہے جس دن اللہ تعالیٰ کے حضور سب لوگوں کی پیشی ہوگی اور وہ کامل انصاف کے ساتھ سب کے معاملات کا فیصلہ فرمائے گا۔ فرمایا کہ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا۔ اس دن ہر جان پر نفسی نفسی کی حالت طاری ہوگی، نہ کوئی کسی کی وکالت کر سکے گا اور نہ کوئی کسی کا سفارشی بن کر کھڑا ہوگا۔ جس نے جو کچھ کیا ہوگا اس کا سارا کیا دھرا اس کے سامنے آجائے گا، ہر ایک کے ساتھ کامل عدل کا معاملہ ہوگا، کسی کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی جائے گی۔

۲۲۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۱۱۲-۱۲۴

قریش کے لیے ایک بستی کی مثال

آگے قریش کی تنبیہ کے لیے ایک بستی کو بطور مثال پیش کیا ہے کہ اگر انھوں نے اپنی روش نہ بدلی تو ان کا بھی وہی انجام ہو سکتا ہے جو اس بستی والوں کا ہوا۔ نیز ان کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ اپنے جی سے حرام و حلال نہ ٹھہراؤ۔ اللہ نے جن چیزوں کو حلال ٹھہرایا ہے ان کو کھاؤ برتو، اپنے مشرکانہ توہمات کے تحت ان کو حرام نہ ٹھہراؤ۔ اسی ذیل میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ فرما دیا گیا کہ یہود پر بھی وہی چیزیں حرام کی گئی تھیں جو اس ملت میں حرام ہیں لیکن انھوں نے اپنی سرکشی کے سبب سے بعض چیزیں از خود اپنے اوپر حرام کر لیں اور ان کی حرمت کو وہ اب ملت ابراہیم کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ ابراہیم کو نہ یہودیت و نصرانیت سے کوئی علاقہ تھا نہ ملت مشرکین سے۔ ان کی ملت ان سب سے الگ تھی اور وہی ملت ہے جس کی پیروی کی ہدایت تمھیں کی گئی ہے۔ سبت کے احترام کا تعلق بھی یہود سے تھا، ملت ابراہیم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ——— آیات کی تلاوت کیجیے۔

آیات ۱۱۲-۱۲۴

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا
رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا
اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلَقَدْ
جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ

ظٰلِمُوْنَ ﴿١١٣﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاشْكُرُوْا
نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١١٤﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ
الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ
فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٥﴾ وَلَا
تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ
لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿١١٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ
هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ
وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا
السُّوْۗءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ
مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٩﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا ع ١٥ ٢١
لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٠﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ
وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٢١﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ
فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٢٢﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ
اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ
عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٢٤﴾

ترجمۂ آیات ۱۱۲-۱۱۳ — اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی ہے جو بالکل امن و اطمینان کی حالت میں تھی،

ان کو ان کا رزق فراغت کے ساتھ ہر طرف سے پہنچ رہا تھا۔ لیکن انھوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کی کرتوتوں کی پاداش میں ان کو بھوک کا مزا چکھایا اور خوف کا لباس پہنا دیا۔ اور ان کے پاس ایک رسول انھیں میں سے آیا تو انھوں نے اس کی تکذیب کر دی تو ان کو عذاب نے آدبوچا اور وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے تھے۔ ۱۱۲-۱۱۳

تو اللہ نے تمھیں جو چیزیں جائز و پاکیزہ دے رکھی ہیں ان میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی پرستش کرتے ہو۔ اس نے تو تم پر بس مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، حرام ٹھہرایا ہے، پس جو کوئی مجبور ہو جائے، نہ طالب ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا، تو اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اور اپنی زبانوں کے گھڑے ہوئے جھوٹ کی بنا پر یہ نہ کہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگاؤ۔ جو لوگ اللہ پر جھوٹی تہمت لگائیں گے وہ ہرگز فلاح نہیں پائیں گے۔ ان کے لیے چند روزہ عیش اور دردناک عذاب ہے۔ ۱۱۴-۱۱۷

اور جو یہودی ہوئے ان پر بھی ہم نے وہی چیزیں حرام کیں جو ہم نے پہلے تم کو بتائیں اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔ ۱۱۸

پھر تمھارا رب ان لوگوں کے لیے جو جہالت سے برائی کر بیٹھیں پھر اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں تو بے شک تمھارا رب اس کے بعد بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ ۱۱۹

بے شک ابراہیم ایک الگ امت تھے، اللہ کے فرماں بردار اور اس کی طرف یکسو اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔ وہ اس کی نعمتوں کے شکرگزار تھے۔ اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا اور ان کی رہنمائی ایک سیدھی راہ کی طرف فرمائی۔ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی عطا کی اور آخرت میں بھی وہ صالحین

کے زمرہ میں ہوں گے۔ پھر ہم نے تمھاری طرف وحی کی کہ ملتِ ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یکسو تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔ ۱۲۰-۱۲۳

سبت انہی لوگوں پر عاید کیا گیا تھا جنھوں نے اس کے باب میں اختلاف کیا اور بے شک تمھارا رب ان چیزوں کے باب میں، جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں، قیامت کے روز ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ ۱۲۴

۲۲- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (۱۱۲)

'قریہ' سے مراد سبا ہے

مشرکین مکہ کے لیے قوم سبا کی مثال

'قریہ' مرکزی بستی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ اس کے توابع اور ملحقات ہوں۔ یہاں قریہ کی تصریح نہیں ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ اشارہ سبا کی طرف ہے۔ اہل مکہ کے سامنے اس بستی کی مثال کئی جگہ تفصیل کے ساتھ پیش کی گئی ہے مثلاً ملاحظہ ہوں آیات ۱۵-۲۰ سورۂ سبا۔ اس بستی پر اللہ کا بڑا فضل و کرم تھا۔ دو رویہ سرسبز و شاداب باغوں کی قطار تھی، نہریں تھیں، چشمے تھے لیکن اس کے باشندوں نے اللہ کی ناشکری اور اس کی نعمتوں کی ناقدری کی تو اللہ کا عذاب ایک بے پناہ سیلاب کی شکل میں نمودار ہوا اور اس نے سب کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

'فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ' اس میں عربیت کے اعلیٰ اسلوب کے مطابق حذف ہے۔ اگر اس حذف کو کھول دیا جائے تو پوری بات یوں ہوگی۔ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ طَعْمَ الْجُوْعِ وَاَلْبَسَهَا لِبَاسَ الْخَوْفِ یعنی اللہ نے ان کے کفرانِ نعمت کی پاداش میں ان کو بھوک کا مزہ چکھایا اور امن و اطمینان کی جگہ ان کو خوف و خطرے کا جامہ پہنا دیا۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ (۱۱۳)

یعنی ان میں انھیں میں سے ایک رسول ان کو متنبہ کرنے کے لیے آیا تو انھوں نے اس کو جھٹلا دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے عذاب نے ان کو آ دبوچا اور یہ اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنے اس لیے کہ اپنی ناشکری سے اس کے اسباب انھوں نے خود فراہم کیے

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (۱۱۴)

ددایا
ثمت

اہل مکہ کو اہل سبا کا انجام یاد دلا کر ان کو یاد دہانی فرمائی کہ تمھیں بھی اللہ نے جو چیزیں حلال و طیب بخشی ہیں ان کو کھاؤ برتو اور اس کی نعمتوں پر اسی کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی پرستش کرنے والے ہو۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اہل سبا اور اہل مکہ میں بڑی مماثلت تھی۔ اوپر اہل سبا کے باب میں جو الفاظ وارد ہوئے ہیں ان کو پڑھیے پھر حرم مکہ کی شان میں یہ الفاظ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا ۵۷ قصص۔ پڑھیے تو دونوں کی مماثلت واضح ہو جائے گی جس طرح اہل سبا کو امن و چین کی زندگی حاصل تھی اسی طرح اہل مکہ کو بھی امن و اطمینان کی زندگی حاصل تھی۔ خانہ کعبہ کا مرکز ہونے کی وجہ سے یہ شہر امن و امان کا شہر تھا، کسی کی مجال نہیں تھی کہ بلد امین پر حملہ کرنے کی جرأت کر سکے۔ تمام ملک سے تجارتی قافلے یہاں بے خوف و خطر آتے اور اس شہر کے باشندوں کی خوش حالی کا ذریعہ بنتے۔ خود اہل مکہ کے تجارتی قافلے ہر موسم میں بے خوف و خطر دور دور کے سفر کرتے لیکن ان کو نقصان پہنچانا تو الگ، رہا راستہ کے بدوی قبائل ان کی حفاظت کے لیے بدرقہ فراہم کرتے کہ یہ بیت اللہ کے خادم اور متولی ہیں۔ ان نعمتوں کا حق یہی تھا کہ یہ ان سے فائدہ اٹھاتے اور اللہ کے شکر گزار رہتے لیکن انھوں نے شرک میں مبتلا ہو کر اللہ کے بخشے ہوئے جانوروں کی قربانی اپنے مزعومہ شریکوں کے تھانوں اور استھانوں پر دی، محض اپنے مشرکانہ اوہام کے تحت اپنے جی سے ان کو حلال و حرام ٹھہرایا اور اس طرح اسی کفران نعمت کے جرم کے مرتکب ہوئے جس کے مرتکب ہو کر اہل سبا کیفر کردار کو پہنچے۔

مشرکین مکہ کا زعم باطل

اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لیے اس بات کو یاد رکھیے کہ مشرکین مکہ شرک کی تمام خرافات میں مبتلا ہونے کے باوجود دعویٰ یہی کرتے تھے کہ وہ پرستش خدا ہی کی کرتے ہیں۔ بتوں کی پرستش کے حق میں انھوں نے یہ دلیل پیدا کی تھی کہ ہم ان کی پرستش تو محض اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں خدا کے قریب کر دیں مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ان کا زعم یہ تھا کہ یہ خدا کے مقرب اور چہیتے ہیں۔ اگر یہ راضی رہیں تو خدا سے سفارش کر کے اپنے پرستاروں کو جو چاہیں دلوا سکتے ہیں۔ اسی زعم کے تحت وہ ان کو نذرانے اور چڑھاوے پیش کرتے اور ان کے نام پر جانور چھوڑتے جن کو تقدس کا یہ درجہ حاصل ہو جاتا کہ نہ ان کا دودھ اور گوشت کھانا جائز ہوتا اور نہ ان پر سواری کی جا سکتی۔ قرآن نے ان کے اسی مغالطہ کو یہاں رفع کیا ہے کہ اگر خدا ہی کی پرستش کا دعویٰ ہے تو اس کی نعمتوں پر اسی کا شکر ادا کرو، اس کی بخشی ہوئی نعمتوں کو نہ دوسروں کی طرف منسوب کرو، نہ ان کے لیے ان کی قربانی پیش کرو، نہ ان کے نام پر ان کو حرام و حلال ٹھہراؤ۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۱۵)

خدا کی حرام کردہ
چیزیں

ان جانوروں میں سے تمھارے اوپر حرام صرف مردار اور خون، لحم خنزیر اور وہ جانور ہے جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور اس میں بھی یہ رعایت ہے کہ اگر کسی شخص کی بھوک سے جان پر آ بنی ہو تو بقدر

سدرمق وہ ان میں سے کسی چیز کو کھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے۔ ایسی حالت میں خدا اس کو معاف کر دے گا اور اس پر رحم فرمائے گا۔ 'غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ' بس یہ ایک شرط اس کے ساتھ ہے کہ نہ اس حرام کو دل سے چاہنے والا بنے اور نہ سدرمق کی حد سے متجاوز ہو۔ یعنی یہ نہ کرے کہ اضطرار کو حرام خوری کا بہانہ بنا لے اور پھر خوب حرام پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دے۔ مزید تفصیل کے طالب مائدہ آیت ۳ اور انعام ۱۴۵ کے تحت جو کچھ لکھا گیا ہے اس پر ایک نظر ڈال لیں۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ (۱۱۶)

تحلیل و تحریم کا حق صرف خدا کو ہے

یعنی حلال و حرام کرنے کا حق صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ کسی دوسرے کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی خدائی سند کے محض اپنے مزعومات کی بنیاد پر کسی چیز کو حلال اور کسی چیز کو حرام قرار دینا شروع کر دے۔ یہ اللہ پر جھوٹا افترا ہے کیونکہ جو بات اس نے نہیں فرمائی وہ تم اس کی طرف منسوب کرتے ہو۔ اور یاد رکھو کہ خدا پر جھوٹا افترا کرنے والے کبھی فلاح یاب نہیں ہوں گے۔

'لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ' یعنی جن کے باب میں محض تمہاری اپنی زبان کے جھوٹے اور بے بنیاد دعوے ہیں، ان کے حق میں تمہارے پاس خدا کی طرف سے کوئی دلیل نہیں ہے۔

'لِتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ' یعنی اپنے جی سے حلال و حرام قرار دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے، بالآخر یہ بات خدا پر جھوٹے افترا تک منتہی ہوتی ہے جو شدید ترین جرائم میں سے ہے۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۱۱۷)

'لَا يُفْلِحُوْنَ' کی وضاحت ہے، یعنی اللہ پر افترا کرنے والوں کے لیے بس اس دنیا کی چند روزہ زندگی اور اس کا عیش و آرام ہے، اس کے بعد ان کے لیے ایک ابدی عذاب الیم ہے۔

وَعَلَي الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۱۱۸)

یہود کی من مانی تحریم و تحلیل

یعنی اصلاً یہود پر بھی وہی چیزیں حرام ٹھہرائی گئی تھیں جو اوپر آیات ۱۱۵ میں مذکور ہوئیں لیکن پھر انھوں نے خود اپنے جی سے کچھ چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں جو ان کی سرکشی کی سزا کے طور پر ان پر حرام کر دی گئیں۔ خدا نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنے۔ اس کی وضاحت نساء کی آیت ۱۶۰ کے تحت گزر چکی ہے۔ تفصیل کے طالب اس پر ایک نظر ڈال لیں۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْۗءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۱۹)

توبہ کرنے والوں کے لیے بشارت

یہ اوپر کی تنبیہات کے بعد ایک بشارت ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ خدا کی واضح ہدایات کے باوجود اب تک غلطیوں، جہالتوں اور تعصبات میں گرفتار رہے ہیں ان

کے لیے اب بھی نجات کی راہ کھلی ہوئی ہے۔ تمہارا رب ان لوگوں کو بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا جنھوں نے جہالت کے سبب سے برائیاں کیں پھر اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لی۔ مطلب یہ ہے کہ تمہاری بعثت سے قبل جو تاریکی کا دور گزرا ہے اس میں لوگوں نے خدا کی جو نافرمانیاں کی ہیں اگر تمہاری اس دعوت کے بعد انھوں نے توبہ اور اصلاح کر لی تو ان کے لیے خدا کی رحمت میں داخل ہونے اور اس کی مغفرت کے مستحق ہونے کا موقع اب بھی باقی ہے۔ بدقسمت ہی ہوں گے وہ جو اس موقع سے فائدہ نہ اٹھائیں۔

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (۱۲۰)

حضرت ابراہیمؑ کا اصلی مقام

یہود، نصاریٰ اور مشرکین سب اپنی اپنی بدعات کی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام کو بطور سند استعمال کرتے تھے۔ ان میں سے ہر گروہ کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ ہی کے طریقہ پر ہے اور حرام و حلال کے معاملہ میں ملت ابراہیمی ہی کی پیروی کر رہا ہے۔ نصاریٰ بھی جنھوں نے خنزیر تک کو جائز کر لیا، اسی خبط میں مبتلا تھے۔ مشرکین مکہ کا تو پوچھنا ہی کیا وہ تو تھے ہی اپنے زعم میں ملت ابراہیم کے اجارہ دار، یہ سب بجائے اپنے اپنے رویہ کا جائزہ لینے کے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطعون کرتے تھے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کے طریقہ سے ہٹے ہوئے ہیں، حرام و حلال کے معاملہ میں ان کے ضابطہ کی پیروی نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان سے الگ اپنی راہ انھوں نے نکالی ہے۔ قرآن نے ان سب کا یہ جواب دیا ہے کہ ابراہیمؑ ایک الگ امت تھے، وہ اللہ کے فرمان بردار اور اس کی طرف یکسو تھے، وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

اسی طرح آل عمران میں فرمایا ہے کہ مَا كَانَ إِبْرٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا ۔ "ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وہ اللہ کی طرف یکسو تھے۔"

'امۃ' کا لفظ ایک طرف تو حضرت ابراہیمؑ کی انفرادیت کا اظہار کر رہا ہے کہ وہ یہود، نصاریٰ اور مشرکین کسی میں سے نہیں تھے بلکہ ان سب سے الگ وہ ایک حنیف و مسلم تھے، دوسرے ان کی اس جامعیت و مرکزیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو اللہ نے ان کو بخشی تھی۔ اس لیے کہ وہ صرف ایک فرد نہیں بلکہ ایک عظیم امت کے بانی تھے۔

شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۱۲۱)

یہ حضرت ابراہیمؑ کی مزید تعریف ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں پر اللہ ہی کے شکر گزار تھے، تمہاری طرح اللہ کی نعمتوں کو اصنام و انصاب کی طرف منسوب کر کے خدا کی ناشکری کرنے والے نہیں تھے اور ان کی اسی شکر گزاری کی یہ برکت تھی کہ خدا نے ان کو منصب نبوت کے لیے انتخاب فرمایا اور ایک صحیح راہ کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی۔

وَآتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِينَ (۱۲۲)

یعنی دنیا میں بھی اللہ نے ان کو مال و جاہ عطا فرمایا یہاں تک کہ ان کی حیثیت ایک حکمران کی ہو گئی اور آخرت میں بھی وہ زمرہ صالحین میں اپنا درجہ اور مقام حاصل کریں گے۔

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (۱۲۳)

یعنی ملت ابراہیمؑ کی پیروی کے یہ سارے مدعی۔ یہود، نصاریٰ اور مشرکین — تو بالکل جھوٹے ہیں ہاں
ہم نے تمھاری طرف البتہ یہ وحی کی کہ تم ملت ابراہیمؑ کی پیروی کرو۔ چنانچہ تمھاری ملت ملت ابراہیمؑ ہے۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (۱۲۴)

سبت کا حکم ملت ابراہیم کا جزو نہیں تھا

یہ یہود کے ایک اعتراض کا جواب ہے۔ یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر ایک اعتراض یہ بھی کرتے تھے کہ یہ لوگ سبت کا احترام نہیں کرتے۔ قرآن نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ سبت کا احترام ملت ابراہیمؑ کا کوئی جزو نہیں ہے بلکہ سبت یہود کے لیے مشروع ہوا تھا اور انھوں نے بھی اس کے باب میں اختلافات پیدا کرکے اس کی حرمت برباد کی۔ اب ان اختلافات کا فیصلہ قیامت کے روز ہوگا۔ سبت کے آداب و احکام کے بارے میں ان کے ہاں جو اختلافات ہیں ان کی تفصیل بڑی طوالت ہے۔ ہمارے لیے اس میں پڑنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

۲۴۔ آگے کا مضمون —— آیات ۱۲۵-۱۲۸

خاتمۂ سورہ

آگے کی آیات خاتمۂ سورہ کی حیثیت رکھتی ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اللہ کے دین کی دعوت پر جمے رہنے اور مشکلاتِ راہ کا صبر و استقامت کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ ساتھ ہی حصولِ صبر کا طریقہ بتایا گیا ہے اور یہ بشارت دی گئی ہے کہ اللہ کی معیت اس کے متقی بندوں ہی کو حاصل ہوتی ہے اور انجام کار کی کامیابی انہی کا حصہ ہے — آیات کی تلاوت کیجیے۔

آیات ۱۲۵-۱۲۸

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ
اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (۱۲۵) وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ
بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ (۱۲۶) وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ
اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ (۱۲۷)
ع ۱۶ / ۲۲ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (۱۲۸)

ترجمۂ آیات ۱۲۵-۱۲۸

اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور ان کے ساتھ اس

طریقہ سے بحث کرو جو پسندیدہ ہے۔ بیشک تمھارا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پانے والے ہیں۔ اگر تم بدلہ لو تو بس اتنا لو جتنا تمھارے ساتھ کیا گیا ہے اور اگر تم صبر کرو تو یہ چیز صبر کرنے والوں کے لیے بہت ہی بہتر ہے۔ اور صبر کرو اور تمھیں صبر حاصل نہیں ہو سکتا مگر اللہ ہی کے تعلق سے اور تم نہ ان پر غم کرو اور نہ ان کی ان چالوں سے جو یہ چلتے رہتے ہیں پریشانی میں مبتلا ہو۔ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا اور جو خوب کار ہیں۔ ۱۲۵-۱۲۸

۲۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ (۱۲۵)

حکمت اور موعظتِ حسنہ — 'حکمت' سے مراد یہاں دلائل و براہین ہیں اور 'موعظتِ حسنہ' سے مشفقانہ انداز میں تذکیر و تنبیہ۔ دعوتِ دین میں یہی دو چیزیں اصولِ کار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آدمی جو بات بھی کہے دلیل و برہان کی روشنی میں کہے اور انداز دھونس جمانے کا نہیں بلکہ اس کے سچے جذبۂ خیر خواہی و ہمدردی کا غماز ہو تاکہ مخاطب بدکنے کے بجائے اس کی باتوں کے سننے اور ان پر غور کرنے کی طرف مائل ہو۔ اگرچہ ہٹ دھرم لوگ اس سے بھی نہیں پسیجتے لیکن خیر و برکت کا طریقہ یہی ہے۔

پیغمبر صلعم اور صحابہؓ کو ہدایت — یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے واسطہ سے آپؐ کے صحابہؓ کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ تم اللہ کے راستہ کی دعوت حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ دو۔ اس ہدایت کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ اس دور میں، جیسا کہ پیچھے کی آیات سے واضح ہو چکا ہے، مخالفین کے رویہ نے بڑی گرما گرمی پیدا کر دی تھی، پھر اب آنحضرت صلعم بھی تنہا نہیں تھے بلکہ آپؐ کے ساتھ مومنین کی ایک جماعت میدانِ عمل میں آگئی تھی۔ ایسی حالت میں یہ بات بعید از امکان نہیں تھی کہ مبادا مخالفین کے رویہ سے تنگ آکر مسلمان بھی کوئی سخت رویہ اختیار کر لیں اور اس کا اثر دعوت کے مزاج پر پڑے۔ اس سے دعوت کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ ہدایت فرما دی گئی کہ دعوتِ دین کے معاملے میں قدم حکمت اور موعظت کے جادۂ مستقیم سے منحرف نہ ہونے پائیں۔

حکمتِ تبلیغ — 'وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ' دعوت کے کام میں بحث و گفتگو سے تو مفر نہیں لیکن اس میں بھی یہ قید

لگا دی گئی کہ اس کے لیے بہتر طریقہ استعمال کیا جائے۔ اگر حریف اشتعال انگیز رویہ اختیار کر لے تو اس کے رویے سے متاثر ہو کر آدمی اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی کوشش نہ کرے بلکہ ہر حالت میں اپنی شائستگی برقرار رکھے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں اسی حقیقت کی وضاحت یوں فرمائی گئی ہے۔ قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۵۳ (میرے بندوں کو ہدایت کردو کہ وہی بات کہیں جو بہتر ہے۔ بے شک شیطان ان کے مابین وسوسہ اندازی کرتا ہے بے شک شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے)

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ، یعنی ایسے حالات میں معاملہ اللہ کے حوالہ کرو۔ وہ گمراہوں سے بھی خوب واقف ہے اور جو ہدایت پر ہیں ان سے بھی خوب باخبر ہے۔ وہ ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جس کا وہ مستحق ہوگا۔ داعی کی ذمہ داری صرف دعوت تک محدود ہے اگر اس نے اپنا فرض صحیح طور پر انجام دے دیا تو وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوا۔ رہا یہ معاملہ کہ کون گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے اور کون ہدایت کا تو اس کا تمام تر تعلق اللہ سے ہے اور اس کو اسی پر چھوڑنا چاہیے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ (۱۲۶)

صبر اور انتقام کے حدود کی رعایت

فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ' میں مشاکلت کا وہی اسلوب ملحوظ ہے جس کی مثال دِنَّاهُمْ كَمَا دَانُوْا ہے ' كَمَا دَانُوْا یعنی كَمَا فَعَلُوْا '۔ اسی طرح اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم بدلہ لینا ہی چاہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمھارے ساتھ کیا گیا ہے۔ جرم اور سزائے جرم میں عدم توازن نہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ تم اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ علاوہ ازیں منہیات سے اجتناب مسلمان کے لیے ہر صورت میں لازم ہے۔ اگر مخالف ہمیں گالیاں دے تو ہم اس کے جواب میں گالیاں نہیں دے سکتے۔ اپنے معروف اخلاقی حدود کے اندر رہتے ہوئے ہی ہم اس کا جواب دے سکتے ہیں۔

وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ ۔ چونکہ یہ مرحلہ نازک ہے۔ ہر شخص حدود کو صحیح طور پر ملحوظ نہیں رکھ سکتا اور ان کے ملحوظ نہ رکھنے کی صورت میں اسلام کے عاید کردہ حدود و قیود بھی مجروح ہوں گے اور دعوت کے کام کو بھی اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اس وجہ سے اولیٰ یہی ہے کہ صبر ہی کیا جائے۔ صبر کرنے والوں کے لیے بڑی نعمت ہے اس میں جو خیر و برکت ہے وہ انتقام میں نہیں ہے۔

یہ امر یہاں ملحوظ ہے کہ یہ ہدایات اس دور سے متعلق ہیں جب مسلمان افراد کی صورت میں اپنے مخالفوں کے اندر گھرے ہوئے اور ان کی چیرہ دستیوں کے شکار تھے۔ اس کا تعلق اس دور سے نہیں جب مسلمانوں کی باقاعدہ منظم حکومت قائم ہو گئی۔ ایک باقاعدہ منظم اسلامی حکومت کے حدود کار اور اس کے اختیارات اس سے مختلف ہیں۔ ان کی تفصیل پچھلی سورتوں خاص طور پر سورۂ انفال اور براءت میں، گزر چکی ہے اور آگے مدنی سورتوں میں ان کی مزید تفصیل آئے گی۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ (۱۲۷)

صبر کی ہدایت اور حصولِ صبر کی تدبیر

خطاب اگرچہ لفظاً پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن معناً، جیسا کہ اوپر والی آیت میں واضح ہو چکا ہے، تمام مسلمانوں سے ہے، گویا آپؐ کے واسطہ سے یہ تمام مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے۔ یہ صبر کی ہدایت بھی ہے اور حصولِ صبر کی تدبیر بھی۔ فرمایا کہ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ یعنی صبر نہیں حاصل ہو سکتا مگر اللہ کے تعلق سے۔ جو صبر کا مقام حاصل کرنا چاہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو زیادہ سے زیادہ بڑھائے خدا کے ساتھ تعلق کا واسطہ اس کا ذکر ہے اور ذکر کا سب سے اعلیٰ طریقہ نماز ہے اس وجہ سے قرآن کے دوسرے مقامات میں صبر کے ساتھ نماز خصوصاً تہجد کے اہتمام کی تاکید فرمائی گئی۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ، یعنی نہ ان شامت زدوں کی حالت پر غم کرو اور نہ ان کی ان چالوں سے جو یہ رات دن چل رہے ہیں ہراساں اور پریشان ہو۔

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (۱۲۸)

نصرت کا وعدہ اور اسلام کے غلبہ کی بشارت

یہ نصرت کا وعدہ اور بالآخر اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کی بشارت ہے۔ فرمایا کہ اللہ اہل تقویٰ اور ان لوگوں کے ساتھ ہے جو خوب کار ہیں۔ مُحْسِنُوْنَ یعنی جو اپنے رب کی بندگی اور اس کی عبادت و اطاعت اس طرح کر رہے ہیں گویا اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا کہ انہی لوگوں کو اللہ کی معیت حاصل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کی معیت انہی کو حاصل ہے تو لازماً انجام کار کی کامیابی بھی انہی کا حصہ ہے۔

ان سطروں پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔